

منظور شدہ محکمہ تعلیم — بمطابق فہرست نمبر ۱۹۶۵ء

عائشہ

رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهَا

عباس محمود اعجاز

مولانا جلال الدین سیوطی

ترجمہ

شیخ محمد اسد پانی پتی

گلوب پبلشرز - اردو بازار - لاہور

قیمت : ۳۰ روپے قیمت لائبریری ایڈیشن - ۲۰ روپے



۲۹۶۹۹۲۱

۷۰۲۱۳

۲۶۲۰۰

DATA FILTERED

# تتیب

عباس محمود العقاد

اسلامی امانت

۷	عورت عربوں کی نظر میں
۱۸	اسلام اور صفتِ نازک
۲۶	زندہ جاوید خاتون
۳۹	عائشہ رضی
۴۳	ازدواجی زندگی
۹۵	واقعهٔ انک
۱۱۹	بیوگی کا زمانہ
۱۲۵	ملکی سیاست میں عائشہ رضی کا حصہ
۱۵۲	عورت کے حقوق

مولانا جلال الدین سیوطیؒ

۱۶۵

عائشہؓ کے علم و فضل کا بیان

۱۶۸

غسل کے مسائل

۱۷۰

نماز کے مسائل

۱۷۲

جنازے کے مسائل

۱۷۷

روزوں کے مسائل

۱۷۹

حج کے مسائل

۱۸۳

خرید و فروخت کے مسائل

۱۸۶

شادی بیاہ کے مسائل

۱۸۷

متفرق مسائل



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

## دیسپاچ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا شمار ان معدودے چند مایہ ناز خواتین میں ہوتا ہے جن کا ذکر کئے بغیر اسلام کی تاریخ مکمل نہیں ہو سکتی۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوب ترین بیوی تھیں۔ تقویٰ اور طہارت کا بلند مقام انہیں حاصل تھا۔ علم و فضل اور تفقہ و اجتہاد میں ان کا ثانی نہ تھا۔ علوم دینیہ پر انہیں کامل دسترس حاصل تھی۔ اور اور رسول صلعم کی حیات طیبہ کا انہوں نے منظر غائر مطالعہ کیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ کتب سیر، احادیث اور تاریخ صحابہ میں جس کثرت سے حضرت عائشہؓ کا ذکر آتا ہے اور کسی خاتون کا نہیں آتا۔

عباس محمود العقاد مولف کتاب ہذا نے حضرت عائشہؓ کی یہ سیرت عام مروجہ طریق سے ہٹ کر شخصیت نگاری کے جدید اسلوب کے مطابق تحریر کی ہے۔ اس کتاب میں انہوں نے محض آپ کی زندگی کے جملہ واقعات بیان کر دینے پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ نفسیاتی اور تاریخی لحاظ سے ان واقعات کا مکمل جائزہ لیا ہے اور ان کے پس منظر پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ کتاب کی ایک اور بڑی خوبی یہ ہے کہ اس میں حضرت عائشہؓ کے دینی اور علمی مرتبے کو اجاگر کرنے کے ساتھ ساتھ انہیں ایک "مثالی عورت" کی حیثیت میں

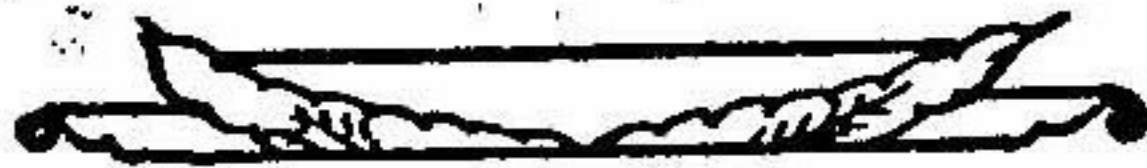
بھی پیش کیا گیا ہے۔ اس لحاظ سے حضرت عائشہؓ کی یہ سوانح عمری منفردانہ اور امتیازی حیثیت کی حامل ہے۔

کتاب کے آخر میں مولانا جلال الدین سیوطی کے ایک قیمتی رسالے عین الاصابہ فیما استدرکتہ السیدۃ عائشہ علی الصحابۃ کا ترجمہ بھی بطور ضمیمہ شامل کر دیا گیا ہے۔ اصل عربی رسالہ مولانا سید سلیمان ندوی مرحوم کی کتاب "سیرت عائشہ" کے آخر میں درج ہے۔ اور اس سے قبل کتابی صورت میں حیدرآباد دکن سے بھی شائع ہو چکا ہے۔ اس مختصر لیکن جامع رسالے میں ان علمی اور فقہی مسائل کا ذکر کیا گیا ہے جن میں حضرت عائشہؓ نے دیگر صحابہ سے اختلاف کیا ہے اور ساتھ ہی اختلاف کی وجوہ بھی بیان کی ہیں۔ اسے پڑھنے کے بعد المؤمنین کی حیرت انگیز مجتہدانہ بصیرت کا اعتراف کئے بغیر چارہ نہیں رہتا۔

الحاد اور بے دینی کے موجودہ دور میں مسلمان عوام کو اپنے اسلاف کے کارناموں سے روشناس کرانے کی بجد ضرورت ہے تاکہ وہ ان کے نقش قدم پر چل کر مذہب کی اصل روح کو اپنا سکیں۔ خدا تعالیٰ سے دعا ہے کہ یہ کتاب بھی اس مقصد کے حصول میں مدد و معاون ثابت ہو اور ہماری خواتین حضرت عائشہؓ کے نقش قدم پر چل کر علمی ادبی اخلاقی اور مذہبی میدانوں میں ایک دوسرے سے گوٹے سبقت لے جانے کی کوشش کریں، آمین!

محمد اسمد پانی پتی

۱۹ جون ۱۹۱۷ء



## عورت، عربوں کی نظر میں

عورت کے متعلق اہل عرب کے احساسات اور نظریات بہت بناوہ اور طبعی تھے اسلام سے قبل وہ کسی شریعت کے پیرو اور کسی ضابطہ اخلاق کے پابند نہ تھے۔ بدلتے ہوئے حالات اور وقتی ضرورتوں کے مطابق ان کے نظریات بھی تبدیل ہوتے رہتے تھے۔ عورت کے متعلق مختلف مذاہب اور متمدن قبائل نے علیحدہ علیحدہ نظریات اور قوانین بناٹے ہوئے تھے جن کی انہیں بہر حال پابندی کرنی پڑتی تھی۔ لیکن عرب نے کسی قاعدے اور قانون کے پابند تھے اور نہ اپنے نظریات کو دوسری قوموں کے نظریات کے سانچے میں ڈھال سکتے تھے۔

قرونِ اولیٰ میں عورت بدی کا مجسمہ سمجھی جاتی تھی۔ اکثر مذاہب کا خیال تھا کہ یہ عورت ہی تھی جس نے انسان کے جد امجد حضرت آدم کو جنت الفردوس سے نکلوا کر تمام بنی نوع انسان کو مصائب، آفات اور مشکلات کی ایک ایسی دلدل میں پھنسا دیا ہے جس سے چھٹکارا حاصل کرنا ان کے لئے ناممکن ہو چکا ہے۔ عورت کو صرف بدی کا نہیں بلکہ ناپاکی کا مجسمہ بھی خیال کیا جاتا تھا کیونکہ لوگوں کا خیال تھا کہ لوگوں میں شہوانی جذبات ابھارنے اور بھڑکانے والی ذات صرف عورت کی ہے اور انسان

سے جو شیطانی حرکات سرزد ہوتی ہیں، ان کی ساری ذمہ داری عورت پر پڑتی ہے۔  
لیکن عرب اس نقطہ نظر سے بالکل نا آشنا تھے اور انہوں نے کبھی غیر قوموں کی  
تقلید میں عورت کو ناپاکی اور بدی کا مجسمہ مٹھرنے اور محض اس بنا پر اس سے تحقیر آمیز  
سلوک کرنے کی کوشش نہیں کی۔

روسیوں کی طرح عربوں نے عورت کے متعلق کوئی مخصوص اجتماعی پالیسی وضع  
نہیں کی۔ رومی ایک وسیع و عریض مملکت کے مالک اور حاکم تھے اور ان کے لئے  
مملکت کے باشندوں اور ان کے مختلف طبقات کے حقوق و واجبات کا تعین کرنا  
ضروری تھا چنانچہ بنیادی حقوق وضع کرتے وقت انہوں نے عورت کو ان لوگوں  
کے زمرے میں رکھا جو ہر طرح کمزور اور دوسروں کی مدد کے ہر وقت محتاج ہوتے ہیں۔  
انہیں عورت کی ذات سے کوئی کد نہ تھی لیکن اس کی خلقی کمزوری اس کے لئے وبال  
جان بن گئی اور کمزوروں، ضعیفوں اور محتاجوں کے ساتھ جو سلوک ممکن ہو سکتا ہے  
وہی عورت سے کیا گیا۔

لیکن عرب اس تہذیب و تمدن سے بالکل نا آشنا تھے جو ان کے ہمسایہ ممالک  
میں رائج تھی اور جس میں باشندوں کو کئی طبقات میں تقسیم کر کے ان کے ساتھ الگ الگ  
سلوک کیا جاتا تھا۔ ان کی طبیعت بدویانہ تھی اور وہ ملکی قوانین کی بجائے اپنے نفس کی  
خواہشات کے پابند تھے۔ اور نفسانی خواہشات حالات کے مطابق مختلف رنگ  
بدلتی رہتی تھیں۔ کبھی تو وہ عورت سے لونڈیوں سے بھی بدتر سلوک کرتے تھے۔ اور  
کبھی اس قدر تعظیم و تکریم سے پیش آتے تھے کہ بیٹے کی نسبت باپ سے کرنے کی بجائے  
ماں سے کیا کرتے تھے چنانچہ ادب اور تاریخ کی کتابوں میں متعدد نام ہمیں ایسے نظر  
آتے ہیں جن کی نسبت ان کے باپوں کی بجائے ماؤں سے کی گئی ہے۔

تاریخ عرب میں ہمیں ایسے واقعات بھی نظر آتے ہیں کہ کسی شخص نے محض عورت



کی عزت بچانے کی خاطر اپنے دشمنوں سے ایسا خوفناک انتقام لیا کہ پڑھ کر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں چنانچہ بنو بکر اور بنو تغلب کی باہمی لڑائی اس کی ایک ادنیٰ مثال ہے۔ یہ جنگ جو ہم برس تک جاری رہی، محض اس وجہ سے شروع ہوئی کہ بنو بکر کی ایک عورت بسوس کے ہاں ایک مہمان آکر مٹھرا۔ بنو تغلب کے ایک سردار کلیب نے کسی وجہ سے اونٹنی کی کوچیں کاٹ ڈالیں یہ دیکھ کر بسوس کے بھانجے کو بوجھ پیش آیا اور اس نے بسوس کے سامنے قسم کھائی کہ میں اس شخص کو جس نے تمہارے مہمان کی اونٹنی کو زخمی کیا ہے، قتل کئے بغیر نہ رہوں گا۔ چنانچہ اس نے اپنی قسم پوری کی اور کلیب کو اپنی خالہ کے مہمان کی اونٹنی کو زخمی کرنے یا بالفاظ دیگر اپنی خالہ کی عزت و ناموس پر حملہ کرنے کی پاداش میں قتل کر دیا۔

لیکن اسی کے ساتھ یہ امر بھی کسی سے پوشیدہ نہیں کہ یہ عرب ہی تھے جو اپنی عزت و ناموس کی حفاظت کی خاطر یا حد درجہ غربت کے باعث اپنی لڑکیوں کو زندہ درگور کر دیا کرتے تھے اور یہ ظالمانہ رسم اس وقت تک جاری رہی جب تک اسلام نے آکر اس کا بجلی خاتمہ نہ کر دیا۔

۱۰ عزت و ناموس کی حفاظت کی خاطر بچیوں کو زندہ درگور کرنے کی مشہور مثال قیس بن عامر کی ہے۔ شیخ بنو تمیم کا سردار تھا کسی جنگ کے دوران میں اس کے دشمن اس کی بیٹی کو گرفتار کر کے لے گئے۔ قیس نے اسے چھڑانے کی کوشش کی لیکن بیٹی نے واپس آنے سے انکار کر دیا۔ اس پر اس نے قسم کھائی کہ اس کے ہاں جو بیٹی پیدا ہوگی وہ اسے زندہ درگور کر دیں گے گا۔ چنانچہ ایک مشہور شاعر بختری اپنی ایک نظم میں اسی واقعہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتا ہے۔

ابتکتی من لا ینازل بالسیف مشیحا ولا یضرب اللراء ولعمری

ان واقعات کو دیکھ کر بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ عرب متضاد طبیعتوں کے مالک تھے۔ ایک طرف وہ عورت کی عزت و ناموس کی حفاظت کی خاطر اپنے دشمنوں سے

بقیہ حاشیہ بالعجز عندی الا۔ ان بتیت الرجال تنسبکی النساء لم یسد کثرهن قیس تمیم۔ عیلة بل حمیة وایار۔

(ترجمہ) کیا تو اس شخص پر رورہا ہے جس نے نہ کبھی تلوار چلائی اور نہ کبھی نیزہ اٹھایا ہے۔ اس سے زیادہ عجز اور کمزوری کی علامت کیا ہوگی کہ مرد عورتوں پر روئیں۔ بنو تمیم کے سردار قیس بن عہم نے اپنی بیٹیوں کو ناقہ کشی اور غربت کے سبب زندہ درگور نہیں کیا بلکہ اپنی عزت و ناموس کی حفاظت کی خاطر ایسا کیا۔

جہاں عربوں میں ایسے لوگوں کی کمی نہ تھی جو اپنی عزت و ناموس کی خاطر بیٹیوں کو زندہ درگور کیا کرتے تھے وہاں ایسے لوگ بھی موجود تھے جو ناقہ کشی، غربت اور عیال داری کے باعث بیٹیوں کے ساتھ یہ ظالمانہ سلوک کرتے تھے۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ صعصعہ بن ناجیہ نوزائیدہ بچیوں کو ان کے والدین سے خرید لیا کرتا تھا اور خود ان کی پرورش کرتا تھا۔ لڑکیوں کے ماں باپ بڑی خوشی سے انہیں صعصعہ کے ہاتھ بیچ دیا کرتے تھے۔ چنانچہ بعض روایات میں مذکور ہے کہ اس نے اس طرح ۲۸۰ لڑکیوں کو خرید کر ان کی جائیں بچائیں۔ اگر عرب محض عزت و ناموس کی حفاظت کی خاطر لڑکیوں کو قتل کیا کرتے تھے تو وہ کبھی انہیں صعصعہ کے پاس نہ جیتے کیونکہ اپنی عزت و ناموس کی حفاظت کرنے والوں کے نزدیک اس سے زیادہ اور کیا بات عار کا موجب ہوگی کہ وہ اپنی لڑکی کو دوسرے آدمی کے ہاتھ فروخت کر دیں۔

قرآن کریم بھی اس امر کی تصدیق کرتا ہے کہ عرب اپنی لڑکیوں کو مفلسی کے باعث بھی قتل کیا کرتے تھے۔ چنانچہ فرماتا ہے۔ ولا تقتلوا اولادکم من خشية املاق۔ تم اپنی اولاد کو غربت کے ڈر کے سبب قتل نہ کرو۔

خوفناک انتقام لینے سے بھی باز نہ رہتے تھے اور دوسری طرف عورتوں سے ان کی نفرت کا یہ حال تھا کہ وہ اپنی لڑکیوں کو زندہ درگور کرنے سے بھی دریغ نہ کرتے تھے لیکن حالات کا بغور جائزہ لینے سے معلوم ہوتا ہے کہ دراصل ان کی طبائع میں تضاد نہ تھا بلکہ ملک کے مخصوص معاشی حالات کے باعث وہ ایسا کرنے کے لئے مجبور تھے۔

جزیرہ نمائے عرب دراصل ایک عظیم صحرا ہے جہاں سینکڑوں میل تک وسیدگی اور پانی کا نشان نہیں ملتا۔ عرب قبائل جہاں کہیں کوئی چشمہ اور نخلستان دیکھتے، وہاں ڈیرہ لگالیتے۔ چونکہ چشمے بہت کم تھے اور آبادی زیادہ تھی۔ اس لئے ہر قبیلہ کی یہ کوشش ہوتی تھی کہ وہ دوسرے قبیلے پر حملہ کر کے چشمہ پر خود قبضہ کر لے۔ لیکن چشمے پر قابض قبیلہ بھی آسانی سے اپنی شکست ماننے کے لئے تیار نہ ہوتا تھا جگہ چھوڑنے کا مطلب اپنے آپ کو موت کے حوالے کرنا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ ہر قبیلے میں قومی غیرت بدرجہ اتم پائی جاتی تھی اور وہ اپنی اور اپنی عورتوں کی عزت و ناموس کو اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز خیال کرتے تھے۔ انہیں بجا طور پر خیال رہتا تھا کہ اگر آج ہم اپنی اور اپنی عورتوں کی عزت و ناموس کی حفاظت کرنے میں ناکام رہے تو کل اپنے قبیلے کی حفاظت کرنے میں بھی ناکام رہیں گے اور ہمارے دشمن ہمیں تپتے ہوئے صحراؤں میں دھکیل کر ہماری ہلاکت کو نزدیک تر لے آئیں گے۔

جہاں ہر دم عزت و ناموس کی حفاظت پر کمر بستہ رہنے کا سبب تنگی رزق تھا وہاں لڑکیوں کو زندہ درگور کرنے کا بڑا سبب بھی یہی تھا۔ وہ سمجھتے تھے کہ اگر دشمنوں نے ہم پر حملہ کیا تو ہو سکتا ہے ہم اپنی عورتوں کی عصمت اور ان کی عزت و ناموس کی حفاظت کرنے میں کامیاب نہ ہو سکیں اور وہ دشمنوں کے ہاتھ آجائیں۔ اس صورت حال سے عہدہ برآ ہونے کا بہترین ذریعہ انہوں نے یہی سوچا کہ لڑکیوں کو پیدا ہوتے ہی زندہ درگور کر دیا جائے تاکہ آئندہ ان کی عزت و ناموس پر کوئی

عربوں کو حصول رزق کے سلسلے میں جن تکالیف کا سامنا کرنا پڑتا تھا اس کا ایک اثر یہ ہوا کہ ان کی عورتیں عضو معطل رہنے کی بجائے قبیلہ اور خاندان کے لئے کارآمد وجود ثابت ہونے لگیں۔ وہ جنگل میں جا کر اونٹ اور بکریاں چراتیں، جانوروں کا دودھ دہستیں اون کا تئیں، خیمے بناتیں، زخمیوں کی مرہم پٹی کرتیں، حتیٰ کہ حمل اور ولادت کے وقت اپنا علاج بھی خود ہی کر لیا کرتی تھیں۔ ان امور میں انہیں اتنی مہارت حاصل ہو گئی تھی کہ جنگل کی بہت سی متمدن اور تہذیب یافتہ اقوام کی عورتیں بھی ان کے سلسلے میں نظر آتی ہیں۔ اس جفاکشی کے باعث نہ صرف ان کی اپنی صحتیں اچھی رہتی تھیں بلکہ اولاد بھی زیادہ صحت مند اور خوبصورت پیدا ہوتی تھی۔ یہی صحت مند اولاد بڑھی ہو کر قبیلہ کے لئے عزت و افتخار کا موجب اور اس کی ناموری کا باعث ہوتی تھی۔

اگرچہ بدوی قبائل میں عورتوں کے ساتھ وہی سلوک ہوتا تھا جس کا ذکر اوپر کیا جا چکا ہے، تاہم مہذب اور شہری خاندانوں اور سردارانِ قبائل میں بالعموم عورت کے جذبات کا خیال رکھا جاتا تھا اور وہ لوگ ان سے اسی عزت و احترام اور محبت و شفقت سے پیش آتے تھے جس کی عورت درحقیقت مستحق ہے۔

تہذیب و تمدن کی روشنی میں عقلیں صقل ہو جاتی ہیں طبیعتوں سے ہیجان کی کیفیت دور ہو کر سکون پیدا ہو جاتا ہے اور باہمی میل ملاپ اور الفت و محبت کے جذبات ابھر آتے ہیں۔ ان خصوصیات اور خصائل کا اظہار خانگی زندگی سے شروع ہوتا ہے کیونکہ مرد اور عورت کے باہمی تعلقات ہی سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ان میں عقل و شعور کس حد تک موجود ہے۔

مہذب اور متمدن لوگوں کی طرح سردارانِ قبائل اس امر کا خاص خیال رکھتے ہیں

کہ وہ اپنی لڑکیوں کے لئے ایسے برتلاش کریں جو عزت ووجاہت کے لحاظ سے بلند حیثیت کے مالک ہوں۔ سفلیہ طبع اور کم درجے کے نوجوانوں کو کوئی سردار اپنا داماد بنا نا پسند نہیں کرتا تھا۔ اسی وجہ سے عرب کے سرداران قبائل اپنی بیٹیوں کے بر کا انتخاب خود ہی کرتے تھے اور اس انتخاب میں بیٹیوں کو بھی ضرور شریک کرتے تھے چنانچہ مشہور واقعہ ہے کہ ایک شخص حارث بن عوف مزی قبیلہ طے کے سردار اس بن حارثہ طائی کے پاس اپنا پیغام لایا، اس اپنی بیوی کے پاس آیا اور سب سے پہلے اپنی بڑی بیٹی کو بلایا اور کہا، "اے بیٹی! حارث بن عوف، جو عرب کا بہت بڑا سردار ہے، میرے پاس اپنا پیغام لے کر آیا ہے، میں چاہتا ہوں تمہاری شادی اس سے کر دوں، تمہاری کیا رائے ہے؟" بیٹی نے جواب دیا، "مجھے تو یہ رشتہ پسند نہیں" باپ نے پوچھا۔ کیوں؟ اس نے کہا، "میری شکل و صورت بھی اچھی نہیں، اور طبیعت میں بھی تیزی ہے۔ وہ میرا برادر عم زاد تو ہے نہیں کہ رشتہ داری کا خیال کرے گا اور نہ آپ کا پڑوسی ہے کہ اسے آپ کا کچھ لحاظ ہوگا۔ مجھے ڈر ہے کہ اگر اسے کبھی میری کوئی بات بُری لگی تو آؤ دیکھے گا نہ تاؤ، جھٹ مجھے طلاق دیدے گا۔ اور اس کی ساری ذمہ داری مجھ پر اور آپ پر ہوگی۔"

یہ سن کر اس نے اُسے واپس بھیج دیا اور منجھلی لڑکی کو بلا کر اس کی رائے دریافت کی۔ لڑکی نے جواب دیا، "مجھے کوئی ہنر اور سلیقہ نہیں آتا اور وہ مجھ سے جب بھی ناراض ہوگا، طلاق دے دے گا۔"

اب اس نے اپنی چھوٹی لڑکی بہسیہ کو بلایا اور وہی بات اس سے بھی کہی۔ اس نے کہا، "اباجان! آپ بیشک میری شادی اس سے کر دیجئے۔ میں خوبصورت ہوں، امورخانہ داری سے باخبر ہوں، بلند اخلاق کی مالک ہوں اور حسب نسب کے لحاظ سے بھی کسی سے کم تر نہیں ہوں۔ اگر وہ مجھے طلاق دے گا تو اپنا ہی نقصان

کرے گا۔

چنانچہ اس نے اپنی اس لڑکی کا نکاح حارث سے کر دیا اور وہ اپنی دلہن کو لے کر اپنے قبیلے کی جانب روانہ ہو گیا۔ اس زمانے میں قبیلہ عبس اور ذبیان میں جنگ چھڑی ہوئی تھی۔ گھر پہنچ کر بہسیہ نے حارث سے کہا کہ جب تک تم دونوں قبیلوں کے درمیان صلح نہ کرادو گے اس وقت تک تمہیں حجلہ عروسی میں داخل ہونے کی اجازت نہیں ہے، چنانچہ حارث کو اپنی بیوی کا یہ مطالبہ تسلیم کرنا پڑا۔ اور بہسیہ کی عقل مندی سے دونوں قبیلوں کے درمیان صلح ہو گئی اور یہ دونوں قبائل ایک بڑی خون ریزی سے بچ گئے۔

ابوسفیان کی بیوی ہند بنت عقبہ کے متعلق بھی یہ روایت مشہور ہے کہ اسے قریش کے دو بڑے سرداروں نے پیغام دیا تھا۔ اس نے اپنے والد سے ان کے حالات دریافت کئے، والد نے کہا: پہلا آدمی مالدار ہے۔ اگر تم اس سے اچھی طرح پیش آؤ گی اور زوجیت کے فرائض عمدگی سے ادا کرو گی تو وہ بھی تمہیں اچھی طرح رکھے گا۔ لیکن اگر تمہارا سلوک اس سے نامناسب ہو گا تو وہ بھی تم سے بڑی طرح پیش آئے گا۔ دوسرا شخص اعلیٰ حسب و نسب کا مالک ہے، عقل مند ہے، قوی غیرت اس میں کوٹ کوٹ کر بھری ہے اور اپنے گھر والوں سے اس کا سلوک بہت اچھا ہے۔

ہند نے کہا: "دوسرا شخص میرے معیار پر پورا اترتا ہے اور چونکہ میں خود بھی اپنی صفات سے متصف ہوں، اس لئے میری شادی اسی سے کر دیجئے۔"

ان واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ شادی سے قبل اپنی بیٹیوں سے مشورہ کر لینا سادات عرب کا خاصا تھا اور شادی کوئی سردار اس امر کو نظر انداز کرتے ہوئے بطور خود اپنی بیٹی کی شادی کرتا تھا۔

کسی قوم کی مخصوص عادات و خصائل سے بالعموم اس کے ہر فرد کو حصہ ملتا ہے۔ کسی کو کم کسی کو زیادہ۔ البتہ قوم کا ایک حصہ ایسا ہوتا ہے جس میں یہ خصائل بدرجہ اتم پائے جاتے ہیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے گویا یہ خصائل صرف ان ہی لوگوں سے مخصوص ہیں، دوسرے لوگوں پر محض ان کا پرتو پڑا ہے۔

بنو تمیم کا شمار عرب کے معزز ترین قبائل میں ہوتا تھا اور تمام وہ خصائل جن سے عرب منصف تھے، بنو تمیم میں بدرجہ اتم پائے جاتے تھے، تہذیب و شائستگی، بہادری اور شجاعت، نجابت اور سزا یافتہ غرضیکہ کوئی خصلت ایسی نہ تھی جس میں اس قبیلہ کا قدم دوسرے قبائل سے بڑھ چڑھ کر نہ ہو۔

اس قبیلے کا سب سے معزز گھرانا بو بکر کا تھا۔ قبیلے کی سیادت اسی خاندان کے افراد کے ہاتھ میں تھی اور شرف و عزت کے اعتبار سے یہ خاندان قریش کے چوٹی کے خاندانوں میں سے تھا۔ لہذا ضروری تھا کہ تمام وہ خوبیاں جو عربوں میں پائی جاتی تھیں، اس خاندان میں بدرجہ اتم پائی جائیں اور حقیقت بھی یہی تھی۔

جہاں یہ گھرانہ درجہ رحم دل، نرم خو اور رقیق القلب تھا وہاں اپنی بیویوں اور بیٹیوں سے محبت اور الفت کرنے میں بھی اپنا جواب نہ رکھتا تھا۔ چنانچہ کتاب الانمائی "میں لکھتا ہے کہ خاندان ابو بکر کی عورتوں کے متعلق عرب میں مشہور تھا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سب سے زیادہ نصیبہ ور ہیں کیونکہ جس طرح ان کے شوہر انھیں آرام سے رکھتے ہیں اور کوئی گھرانہ انہیں رکھتا۔

حضرت ابو بکر صدیق کے بیٹوں میں سے شاد ہی کوئی ہو گا جس کے متعلق ادب کی کتابوں میں اپنی بیوی سے غایت درجہ محبت کے واقعات مذکور نہ ہوں۔

آپ کا سب سے بڑا لڑکا عبداللہ تھا۔ اس کی شادی عاتکہ بنت زید سے ہوئی تھی۔ اسے اپنی بیوی سے اتنی محبت تھی کہ اس کے پیچھے اس نے دنیا کے

تمام دھندے ترک کر دیئے۔ یہ حالت دیکھ کر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اسے بیوی کو طلاق دینے کا حکم دیا۔ عبداللہ نے مجبوراً طلاق تو دے دی لیکن اس کے دل کو کسی طرح قرار نہ آسکا۔ بیوی کے فراق میں وہ ہر وقت دردناک اشعار پڑھتا رہتا تھا چنانچہ کہتا ہے۔

”اے عاتکہ! میں اس وقت تک تجھے نہ بھول سکوں گا جب تک آسمان پر سورج اور چاند چمکتے رہیں گے۔ اے عاتکہ! میرا دل دن رات تیری فرقت کی وجہ سے بیابا رہتا ہے اور میں ہر وقت تیری یاد میں مصروف رہتا ہوں۔ اس جیسا تار یک دن میں نے اور کوئی نہ دیکھا جب میں نے تجھے طلاق دی تھی۔ کاش مجھ سے دنیا کی تمام چیزیں چھوٹ جائیں مگر تیرا ساتھ نہ چھوٹتا۔ یہ جدائی ہر چیز کی جدائی سے زیادہ دردناک ہے۔“

عبداللہ کے بھائی عبدالرحمن کو حضرت عمر بن خطاب نے ایک لوٹھی لیلیٰ بنت جو دی مرحمت فرمائی تھی جو بید خوبصورت تھی عبداللہ کی طرح عبدالرحمن کو بھی اس سے انتہائی شفقت کی اور الفت تھی۔ اور وہ اس کا ساتھ چھوڑنا کسی طرح گوارا نہ کرتے تھے۔ ان کی اس حد درجہ شفقتی کو دیکھ کر ان کی بہن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے انہیں ایک مرتبہ ملامت بھی کی تھی۔

بنو تمیم میں عورت کے ساتھ جو حسن سلوک ہوتا تھا اس سے معلوم ہو جاتا ہے کہ عرب کے معزز اور صاحب سیادت قبائل میں عورت کو کس نظر سے دیکھا جاتا تھا اس قبیلہ میں عورت کا مرتبہ چونکہ بہت بلند تھا اس لئے اس کی عزت و ناموس کی حفاظت کو بھی بچہ خیال رکھا جاتا تھا۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اس معاملے میں سب سے زیادہ غیرت مند تھے۔ چنانچہ ابن سیرین کہتے ہیں کہ امت میں رسول صلعم کے بعد



سب زیادہ غیرت مند شخص ابو بکرؓ تھے۔ عبد اللہ عمرو بن العاص بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت ابو بکرؓ کی غیر حاضری میں چند اشخاص کسی ضرورت سے ان کی بیوی اسماء بنت عمیس کے پاس آئے۔ حضرت ابو بکرؓ کو یہ بات ناگوار گزری اور انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے شکایت کی جس پر حضورؐ نے لوگوں کو مردوں کی غیر حاضری میں غیر گھروں میں جانے کی ممانعت کر دی۔

بنو تمیم کی ایک عورت عائشہ بنت طلحہ کے متعلق عمر ابن ربیعہ نے چند اشعار کہے۔ اس پر قبیلہ والوں نے اسے دھمکی دی کہ اگر آج کے بعد اس نے اس قسم کے اشعار پڑھے تو اسے قتل کر دیا جائے گا۔ چنانچہ اس نے قسم کھائی کہ آئندہ ایسی حرکت نہ کرے گا۔

بنو تمیم کے اسی گھرانے میں وہ جلیل القدر خاتون بھی پیدا ہوئی جس نے نہ صرف اپنے خاندان اور قبیلہ کا نام روشن کیا بلکہ اہل دنیا کی نظروں میں اپنی صنف کا رتبہ بھی بلند کر دیا اور یہ خاتون وہی ہے جو اس کتاب کا موضوع ہے یعنی۔

حضرت عائشہ بنت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہا



## اسلام اور صنفِ نازک

اسلام نے آکر اخلاق اور تہذیبِ تمدن کا وہ اعلیٰ معیار قائم کیا جو آج تک اقوامِ عالم کے لئے مشعلِ راہ ہے عورت کے ساتھ حسنِ سلوک اور مروت ہی کی مثال سامنے رکھ لیجئے۔ زمانہ جاہلیت میں بالعموم عورت کی کوئی قدر و قیمت ہی نہ تھی۔ بدوی قبائل تو عورت کی کوئی حیثیت ہی نہیں سمجھتے تھے البتہ معزز شہری گھرانوں میں اسے کچھ مرتبہ حاصل تھا۔ لیکن اسلام نے آکر اسے ہر قسم کے حقوق سے نوازا اور ان حقوق کو صرف اونچے گھرانوں کی عورتوں سے مخصوص نہیں کیا بلکہ ہر طبقے کی مستورات کے لئے عام کر دیا ان حقوق و مراعات کی بدولت ایک عام مسلمان عورت کا مرتبہ جاہلیت کے معزز ترین قبیلے کی عورت سے بھی بلند ہو گیا۔ اسلام عورت کو حقیر مخلوق نہیں سمجھتا۔ وہ اس کے احساسات اور جذبات کو ٹھیس پہنچانے اور دبانے کا روادار نہیں۔ اس کے برعکس اس کے حقوق قائم کر کے اس کی خودی کو بلند کرتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ولھن مثل الذی علیھن بالمعروف والرجال علیھن درجۃ۔ جس طرح عورتوں کے ذمہ مردوں کے کچھ حقوق واجب ہوتے ہیں اسی طرح مردوں کے ذمہ عورتوں کے کچھ حقوق ہیں، چونکہ مردوں کو روزی کمانے کے لئے سخت جدوجہد کرنی

پڑتی ہے اس لئے مردوں کو عورتوں پر یک گونہ فضیلت ضرور حاصل ہے۔  
اسلام سے قبل عورت کو بھیڑ بکریوں کی مانند سمجھا جاتا تھا۔ انہیں اپنے اوپر کوئی  
اختیار نہ تھا۔ مرد جس طرح چاہتے ان سے سلوک کرتے تھے، لیکن اسلام نے آکر اس  
صورتِ حال کو یکسر بدل دیا۔ نکاح کے معاملات میں اس نے یہ لازمی قرار دیا کہ  
جب تک عورت کی۔ خواہ اس کی تعلق کسی امیر کبیر گھرانے سے ہو یا غریب گھرانے  
سے۔ رضامندی حاصل نہ کر لی جائے، اس وقت تک اس کا نکاح نہ کیا جائے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

”بیوہ عورت کا نکاح ثانی اس وقت تک نہ کیا جائے جب تک اس سے  
مشورہ نہ کر لیا جائے۔ اور کنواری عورت اس وقت تک کسی کے عقد میں نہ دیکھے  
جب تک اس کی رضامندی حاصل نہ کر لی جائے۔“

اسلام نے عورت کو خرید و فروخت اور ملکیت کے بارے میں بھی کامل اختیار  
دیا ہے۔ عرب کے رواج کے بالکل برعکس وراثت میں اسے شریک ٹھہرایا ہے۔  
جاہلیت میں تو عورت کو بھی گھوڑوں اور مال و اسباب کی طرح ترکہ میں تقسیم کیا جاتا  
تھا، لیکن اسلام نے آکر اس ظالمانہ طریقے کو قطعاً ممنوع قرار دے دیا۔ چنانچہ  
اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

یا ایہا الذین امنوا لا یحل لکم ان ترقوا النساء کرہا  
اے ایمان والے لوگو! تمہارے لئے یہ جائز نہیں کہ تم عورتوں کی مرضی  
کے خلاف انہیں مال وراثت سمجھ کر اپنے قبضہ میں کر دو۔  
اسلام نے عورتوں کے لئے یہ بھی لازم قرار دیا کہ مردوں کی طرح وہ بھی بیعت  
کیا کریں۔ ان کے والدین، خاوندوں یا سرپرستوں کی بیعت ان کے لئے کافی نہیں  
ہے چنانچہ اس کی نص سورۃ ممتحنہ کی ان آیات میں موجود ہے۔

یا ایہا النبی اذا جازک المؤمنات یمایعنک علی ان لا

يشركن بالله شيئا ولا يسرقن ولا يزنين ولا يقتلن  
اولادهن ولا ياتين بهتان يفترينه بين ايديهن و  
ارجلهن ولا يعصينك في معرفت فبايعهن واستغفرلهن  
الله - ان الله غفور رحيم ۵

(ترجمہ) اے نبی! اگر تمہارے پاس عورتیں بیعت کرنے کے لئے آئیں  
کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہرائیں گی۔ چوری نہ کریں  
گی، زنا نہ کریں گی، اپنی اولاد کو قتل نہ کریں گی، بہتان طرازی سے  
کام نہ لیں گی اور تیک کاموں میں تمہاری نافرمانی نہ کریں گی تو تم ان  
سے بیعت لے لو اور اللہ تعالیٰ سے ان کے گناہوں کی بخشش طلب  
کرو۔ اللہ تعالیٰ گناہوں کو بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

اسلام جہاں عورت کے ساتھ حسن سلوک کرنے اور اس سے مروّت کے ساتھ  
پیش آنے پر زور دیتا ہے، وہاں اس سے شفقت، محبت اور پیار کا سلوک کرنے کی  
تلقین بھی کرتا ہے۔ عرب میں اگر کسی کے ہاں لڑکی پیدا ہوتی تھی تو سارے گھر کو ناپ  
سونگھ جاتا تھا اور ہر ایک شخص کے چہرے سے اداسی ٹپکنے لگتی تھی لیکن اسلام مسلمانوں  
کو تلقین کرتا ہے کہ وہ لڑکی کے پیدا ہونے پر رنج و الم اور غم و غصہ کا اظہار نہ کریں۔  
بلکہ اسی طرح خوشی منائیں جس طرح لڑکے کے پیدا ہونے پر مناتے ہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ  
ان لوگوں کی مذمت میں، جو لڑکی کی پیدائش پر غم و غصہ کا اظہار کرتے تھے فرماتا ہے۔

واذا بشر احدہم بالانتی ظل وجہہ مسودا وہو کظیم اتیواری  
من القوم من سوء ما بشر به ايمسکہ علی ہون امید سہ فی  
التراب - الاساد ما یحکمون -

ترجمہ: جب ان میں سے کسی شخص کو لڑکی پیدا ہونے کی خوشخبری دیجاتی

ہے تو رنج کے باعث اس کا منہ سیاہ ہو جاتا ہے۔ وہ بیٹی کی پیدائش کو غار خیال کرتے ہوئے لوگوں سے اپنا منہ چھپا لیتا ہے اور سوچتا ہے کہ آیا اس ذلت کو برداشت کرے یا اسے زندہ درگور کر آئے۔ دیکھو تو وہ کیا ہی بری رستے قائم کرتا ہے۔

بعض اوقات مرد کا دل اپنی بیوی سے پھر جاتا ہے اور وہ اس سے نفرت کرنے لگتا ہے۔ لیکن قرآنی تعلیم یہ ہے کہ مرد نفرت اور کراہیت کو محبت پر غالب نہ آنے دے اور اس سے حسب دستور سابق نیک سلوک کرتا رہے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ اسی میں اس کے لئے بھلائی مضمحل ہو۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وعاشروہن بالمعروف فان کرہتموہن فعی ان تکوہوا شیئا  
ولیحعل اللہ فیہ خیرا کثیرا۔

(ترجمہ) اپنی بیویوں سے نیک سلوک کرو۔ اگر کسی وجہ سے تمہاری طبیعت ان سے برگشتہ ہونے لگے تو نفرت کے اس جذبے کو ختم کرنے کی کوشش کرو۔ کیونکہ ہو سکتا ہے تم کسی چیز سے نفرت کرتے ہو لیکن اللہ تعالیٰ نے اس میں تمہارے لئے بھلائی مقدر کی ہو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کریم کے احکام کی تعمیل میں صحابہ کو عورتوں سے عدل و انصاف سے پیش آنے اور ان سے نرمی اور شفقت کا سلوک کرنے کی برابر تلقین کرتے رہتے تھے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں۔

”تم میں سے بہترین وہ شخص ہے جو عورتوں سے نیک سلوک کرتا ہے“

اور

”جو شخص عورتوں سے برائی سے پیش آتا ہے اور ان کی توہین و تذلیل کے درپے رہتا ہے، وہ مکینہ ہے“

اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عورتوں سے حسن سلوک کی جتنی تاکید فرمائی تھی اس کا اندازہ حضور کی اس حدیث سے ہو سکتا ہے جس میں آپ فرماتے ہیں کہ :

”جبریل نے مجھے عورتوں کے بارے میں اتنی شدت سے احکام دیئے کہ میں نے خیال کیا کہ کہیں وہ طلاق کی حرمت ہی کا حکم نہ لے آئیں“  
عرب کے اونچے گھرانوں میں لکھنے پڑھنے کا رواج بالکل نہ تھا۔ ان کے مرد تعلیم کو اپنے لئے عار سمجھتے تھے۔ عورتوں کا تو ذکر ہی کیا ہے لیکن اسلام نے اگر جہاں مردوں کے لئے تعلیم کو لازمی قرار دیا وہاں عورتوں کے لئے بھی اسے ضروری قرار دیا۔ چنانچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں :-

”علم کا حصول ہر مسلمان مرد اور عورت پر واجب ہے۔ اسلام اسی پر اکتفا نہیں کرتا بلکہ لونڈیوں کو بھی زیورِ تعلیم سے آراستہ کرنا چاہتا ہے“  
چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :-

جس شخص کے پاس کوئی لونڈی ہو اور وہ اسے اچھی طرح علم سکھائے اور اس کی تربیت میں کوئی کسر اٹھانے رکھے، پھر اسے آزاد کر کے اس کی شادی کر دے تو اس کے لئے دو ہزار ثواب ہے۔

یہ ہے وہ قدر و منزلت جسے عورت نے اسلامی شریعت کے تحت حاصل کیا۔ اور یہ ہے وہ اسلامی تعلیم جس پر عمل کرنا تمام مسلمانوں کے لئے لازمی ہے۔ زمانہ جاہلیت میں اونچے گھرانوں کی عورتوں کو حقوق حاصل تھے۔ اسلام نے اگر ادنیٰ سے ادنیٰ عورت کو ان سے بہت زیادہ حقوق عطا فرما دیئے اور ان کا درجہ اس قدر بلند کیا جس کا انھیں وہم و گمان بھی نہ ہو سکتا تھا۔ آج ہر سو حقوق نسواں کا

چرچا ہے اور عورت کو ہر شعبہ حیات میں مردوں کے مساوی حقوق دینے کی مہم زور شور سے جاری ہے لیکن اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ اسلام نے ایسے وقت میں جبکہ عورت حقیقتاً غلامی کی زندگی بسر کر رہی تھی اسے زبردست حقوق و مراعات سے نوازا اور بنی نوع انسان میں طبقہ نسواں کا درجہ بلند کر دیا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اگر مسلمان عورتوں کے بارے میں اسلامی تعلیم پر لفظ بہ لفظ عمل کریں تو عورتوں کو ان حقوق سے بہت زیادہ حقوق مل جائیں جن کا وہ آج اپنے لئے مطالبہ کر رہی ہیں۔

اسلامی تعلیم محض خوبصورت الفاظ کا مجموعہ نہیں بلکہ باقی اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر ہو بہو عمل کر کے ثابت کر دیا کہ یہ تعلیم کتنی بابرکت اور فیض رساں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت کے ساتھ حسن سلوک کو ایمان اور اخلاق کا معیار قرار دیا تھا اور بار بار فرمایا تھا۔

”تم میں سے بہترین شخص وہ ہے جو اپنے اہل و عیال کے ساتھ نیکی سے پیش آئے اور میں اپنے اہل و عیال سے ہمیشہ نیکی سے پیش آتا ہوں“

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس وقت گھر میں تشریف فرما ہوتے تو کام کاج میں اپنے اہل و عیال کا ہاتھ بٹایا کرتے تھے۔ البتہ جب نماز کا وقت آتا تو گھر سے نکل کر مسجد میں تشریف لے جاتے۔ گھرلو امور میں بیویوں کا ہاتھ بٹانا آپ کا محبوب مشغلہ تھا اور فرمایا کرتے تھے کہ بیویوں کا ہاتھ بٹانا بھی صدقہ میں شمار ہوتا ہے۔ آپ روزانہ صبح و شام اپنی بیویوں کے پاس جایا کرتے تھے اور نہایت بشاشت کے ساتھ ان سے باتیں کرتے رہتے تھے۔ چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں :-

”جب آپ اپنی بیویوں سے ملتے تو آپ کے چہرے پر مسکراہٹ کھیل رہی

ہوتی تھی اور آپ ان سے نہایت محبت آمیز گفتگو فرمایا کرتے تھے۔  
 کسی شخص کے متعلق یہ کہنا یقیناً مبالغہ میں داخل ہوگا کہ وہ فلاں شخص پر اسکے  
 والدین سے بھی زیادہ مہربان ہے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ بات بالکل  
 صادق آتی ہے۔ آپ اپنی بیویوں پر ان کے والدین سے بھی زیادہ مہربان تھے حتیٰ کہ  
 ان کے ماں باپ سے بھی زیادہ شفیق تھے جو اپنی نرم دلی میں مشہور خلائق تھے۔ مثلاً  
 حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ۔

حدیث میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ایک روایت مروی ہے جس میں وہ کہتی ہیں  
 کہ ایک مرتبہ کسی بات کے متعلق مجھ میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں بحث ہونے لگی حضورؐ  
 نے فرمایا: "یوں فیصلہ نہیں ہوگا کہ کسی کو ثالث مقرر کر لو کہ ابو عبیدہ بن جراح کو ثالث  
 مقرر کرنے پر رضامند ہو؟ میں نے کہا: "نہیں وہ بہت سادہ مزاج انسان ہیں ضرور  
 آپ کی طرفداری کریں گے" حضورؐ نے فرمایا: "اچھا اپنے والد کو ثالث مقرر کر لو" میں  
 راضی ہو گئی اور حضورؐ نے ابوبکرؓ کو بلا بھیجا۔ وہ آئے حضورؐ نے مجھ سے کہا: "تم بات  
 بیان کرو۔" میں نے کہا: "میں آپ بیان کریں" چنانچہ حضورؐ نے وہ بات جس کے  
 متعلق بحث ہو رہی تھی، ابوبکرؓ کے سامنے بیان کی جب حضورؐ بات ختم کر چکے تو  
 میں نے والد سے کہا: "آپ بتائیے کہ ہم دونوں میں سے کس کی بات صحیح ہے؟ انہوں  
 نے یہ سنتے ہی میرے منہ پر زور سے ایک طمانچہ مارا اور کہا: "تو رسول اللہ کی بات کی  
 مخالفت کرتی ہے؟ طمانچہ اس زور سے لگا تھا کہ میری ناک سے خون جاری ہو گیا۔  
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ہماری مقصد یہ نہ تھا" یہ کہہ کر حضورؐ اپنے ہاتھ سے میرے  
 منہ پر پانی ڈال کر خون پونچھنے لگے۔

اپنی بیویوں سے آپ کی محبت حقیقی محبت تھی۔ اس میں ریا اور نمود کا شائبہ  
 تک نہ تھا۔ اپنی سب سے پہلی بیوی حضرت خدیجہؓ کی وفات پر آپ کو سخت صدمہ



ہوا اور اس سال کا نام ہی آپ نے عام الحزن و غم والا سال رکھ دیا۔ عمر بھر آپ ان کی رفاقت کو نہ بھولے اور ہمیشہ رقت آمیز الفاظ میں ان کا ذکر کرتے رہے جہزت عائشہؓ کہتی ہیں کہ حضور علیہ السلام خدیجہؓ کا ذکر اس کثرت اور اتنی محبت سے کیا کرتے تھے کہ مجھے آپ کی زندہ بیویوں سے زیادہ خدیجہؓ پر رشک آنے لگا۔ آخر ایک دن مجھ سے ضبط نہ ہو سکا اور میں نے عرض کیا۔

”یا رسول اللہ! آپ بار بار اس بوڑھی عورت کا ذکر کیوں کرتے ہیں؟ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس سے اچھی بیویاں عطا فرمائی ہیں۔“

یہ سن کر حضورؐ نے فرمایا:

عائشہ! یہ بات مت کہو، مجھے خدیجہؓ سے بہتر کوئی بیوی نہیں ملی۔ وہ مجھ پر اس وقت ایمان لائی جب لوگوں نے کفر اختیار کیا۔ اس نے اس وقت میری تصدیق کی جب لوگوں نے میری تکذیب کی۔ اس نے اس وقت ماں و دولت سے میری مدد کی جب لوگوں نے مجھے مال و دولت سے محروم کر دیا اور اللہ تعالیٰ صرف اس سے مجھے اولاد عطا فرمائی۔

حضرت عائشہؓ نے بھی ان خوش قسمت خواتین میں سے ایک تھیں جنہیں رسول اللہ صلعم کی بے پناہ محبت اور شفقت کی نعمت نصیب ہوئی۔ اسی شفقت اور محبت کے نتیجے میں انہیں وہ مرتبہ حاصل ہوا جس کی گرد کو پہنچنا بھی ناممکن ہے۔ ان کا شمار مسلمانوں کی ان اہم شخصیتوں میں ہوتا ہے جن کے تذکرے کے بغیر تاریخ اسلام مکمل ہی نہیں ہو سکتی۔



## زندہ جاوید خاتون

تاریخ اقوام عالم کا مطالعہ کرنے سے کسی ایسی جلیل القدر عورتوں کا علم ہوتا ہے جنہوں نے اپنے عظیم کارناموں کی بدولت ناموری کی منازل طے کیں یقیناً ایسی عورتیں اپنے مرتبہ کے لحاظ سے مستحق ہیں کہ تاریخ کے صفحات میں ان کا نام زندہ رکھا جائے لیکن عظیم تر شخصیت اس عورت کی ہوتی ہے جس نے دینی میدان میں محیر العقول کارنامے سرانجام دیئے ہوں، احکام شریعت کو لوگوں تک پہنچانے میں مردوں کے دوش بدوش کام کیا ہو اور رسول اللہ کے نزدیک اس کا مرتبہ امت کی عورتوں سے بلند تر ہو۔

حضرت عائشہؓ کا شمار نہ صرف اول الذکر عورتوں میں بلکہ مؤخر الذکر طبقہ میں بھی ہوتا ہے اور یہ فصیلت ایسی ہے جو طبقہ اثبات میں شاذ و نادر ہی کسی کو حاصل ہو۔ دینی مرتبے سے قطع نظر حضرت عائشہؓ کی ایک اور حیثیت بھی ہے جس کا ذکر کئے بغیر ان کی سیرت پایہ تکمیل کو نہیں پہنچ سکتی اور وہ یہ کہ ان کی شخصیت میں ہمیں ایک ایسی عورت کا پتہ ملتا ہے جس میں نسوانی خصوصیات بدرجہ اتم پائی جاتی تھیں۔ حضرت عائشہؓ ہی سے مخصوص نہیں بلکہ ہر اہم شخصیت کے تذکرے کے وقت

اس امر کو ملحوظ خاطر رکھنا ضروری ہے کہ اس کا مرتبہ بحیثیت انسان کس قدر بلند ہے۔ اس پہلو پر نظر کئے بغیر اس شخصیت کا تذکرہ نامتام رہ جائے گا اور قارئین اسکی کتاب زندگی کے ایک اہم باب سے محروم ہو جائیں گے۔ کسی شخص کی عظمت کا اندازہ جب ہی ہو سکتا ہے جب اسے انسانیت کی کسوٹی پر پرکھا جائے۔ اس کسوٹی پر پورا اترنے کے بعد ہی اس کی عظمت کو تسلیم کیا جاسکتا ہے۔

رسول اللہ صلعم کی مثال ہمارے سامنے ہے۔ نبی ہونے کی حیثیت میں آپ نے عظیم الشان امور سرانجام دیئے لیکن جب حضور کی زندگی کے اس پہلو پر غور کرتے ہیں کہ آپ ایک ایسی جلیل القدر شخصیت ہونے کے باوجود، کہ جس کی رفعت شان کا اندازہ لگانا ناممکن ہے، گھریلو معاملات میں اپنے اہل و عیال کا ہاتھ بٹایا کرتے تھے اور لاکھوں انسانوں کا محبوب پیشوا ہونے کے باوجود ہاتھ سے کام کرنے میں اپنی ہتک مطلق محسوس نہ کرتے تھے اور آپ کی گھریلو زندگی دوسرے عام لوگوں سے قطعاً مختلف نہ تھی تو آپ کی عظمت ہماری نظروں میں سینکڑوں گنا بڑھ جاتی ہے۔

یہی حال حضرت عائشہؓ کا ہے۔ دینی لحاظ سے آپ جس بلند مرتبہ کی مالک تھیں، اس کا اندازہ کرتا ہر کہ و مرہ کا کام نہیں۔ لیکن اسی کے ساتھ آپ میں تمام نسوانی صفات بھی پوری طرح جلوہ گر تھیں جن کا اظہار آپ موقوعہ بہ موقوعہ کرتی رہتی تھیں۔ غیرت و حمیت، ناز و ادا، بناؤ سنگھار کا شوق، جذبہ منافرت و غیرت، غرضیکہ جملہ نسوانی خصائل آپ کی ذات میں پوری طرح جمع ہو گئے تھے۔

جذبہ منافرت اور سوتوں کے مقابلے میں غیرت کے بیشتر پہلو حضرت عائشہؓ کی زندگی میں جمع تھے۔ رسول اللہ صلعم کی سب سے پہلی بیوی حضرت خدیجہؓ تھیں جو حضرت عائشہؓ کے رسول اللہ صلعم کے عقد میں آنے سے کئی سال پیشتر وفات پا چکی

تھیں۔ لیکن رشک کا جو جذبہ حضرت عائشہؓ کے دل میں حضرت خدیجہؓ کی طرف سے پایا جاتا تھا وہ دوسری زندہ بیویوں میں سے کسی ایک کے لئے بھی موجود نہ تھا اور اس کی واحد وجہ یہ تھی کہ حضرت خدیجہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں ایسی جگہ قائم کر لی تھی کہ ان کی وفات کے بعد بھی حضورؐ کے دل سے ان کا خیال کبھی محو نہ ہو سکا اور جس خلوص اور وفاداری کے ساتھ، انہوں نے زندگی گزاری تھی، اس کا تذکرہ شب و روز حضورؐ کی زبان پر جاری رہتا تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعض غرباء اور محتاجوں کی متواتر امداد فرمایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت عائشہؓ نے اس کی وجہ پوچھی تو حضورؐ نے فرمایا۔ خدیجہؓ نے مجھے ان لوگوں سے حسن سلوک کرتے رہنے کی وصیت کی تھی۔ یہ سنتے ہی حضرت عائشہؓ غصے میں آکر کہنے لگیں:

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے نزدیک روئے زمین پر سوائے خدیجہؓ کے اور کوئی عورت ہی نہیں۔“

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انتہائی حلیم الطبع تھے لیکن حضرت عائشہؓ کی یہ بات سن کر آپ نے ان سے بولنا چھوڑ دیا۔ آخر ان کی والدہ ام رومان نے ان کی سفارش کی اور کہا:

”یا رسول اللہ! عائشہ کم سن ہے۔ آپ اس کی باتوں کا زیادہ خیال نہ فرمایا کریں۔“

تب حضورؐ ان سے راضی ہوئے۔

ایک مرتبہ حضورؐ خدیجہؓ کا ذکر کر رہے تھے حضرت عائشہؓ کہنے لگیں۔ یا رسول اللہ! آپ ہر وقت اس بڑھی اور سرخ باجھوں والی عورت کا ذکر کیوں کرتے رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس سے بہتر بیوی عطا فرمادی ہے۔“

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”عائشہ تمہارا خیال غلط ہے خدیجہؓ سے بڑھ کر مجھے اور کوئی بیوی نہیں ملی۔ وہ

مجھ پر اس وقت ایمان لائی جب لوگوں نے میری تکذیب کی۔ اس نے اس وقت مجھ پر اپنا مال خرچ کیا جب لوگوں نے مجھے مال و دولت سے محروم کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے خدیجہؓ کے ذریعے مجھے اولاد عطا فرمائی۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ایک بیوی زینب بنت جحش آپ کے لئے شہد کا انتظام کیا کرتی تھیں اور حضورؐ بہت شوق سے اسے نوش فرمایا کرتے تھے۔ چونکہ زینبؓ تمام اہبات المؤمنین میں سب سے زیادہ خوبصورت تھیں اور حضورؐ ان کا خیال بھی بہت رکھتے تھے اس لئے حضرت عائشہؓ کو فکر پیدا ہوا کہ کہیں حضورؐ کی کامل توجہ انہی کی طرف مبذول نہ ہو جائے۔ انہوں نے حفصہ بنت عمر کے ساتھ مل کر ایک سکیم تیار کی جس کا مقصد یہ تھا کہ رسول اللہ صلیم کی طبیعت کو اس شہد کی طرف سے پھیر دیا جائے جو زینب آپ کے لئے مہیا کرتی ہیں۔ اس سکیم کا حال حضرت عائشہؓ نے خود اپنے الفاظ میں اس طرح بیان کرتی ہیں۔

”میں نے حفصہ سے مل کر یہ منصوبہ بنایا کہ ہم میں سے جس کسی کے پاس رسول اللہ صلیم تشریف لے جائیں تو وہ آپ سے کہے۔ یا رسول اللہ! آپ نے مغایر نوش فرمایا ہے۔ مغایر ایک شیریں لیکن بدبودار چیز ہوتی ہے اور رسول اللہ صلیم کو بدبودار چیزوں سے سخت نفرت تھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پہلے حفصہ کے پاس تشریف لے گئے حضورؐ کے بیٹھے ہی انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! آپ کے منہ سے مغایر کی بو آرہی ہے۔“ آپ نے فرمایا: ”میں نے مغایر تو نہیں کھایا البتہ زینب بنت جحش کے پاس شہد ضرور پیا تھا۔ ہو سکتا ہے اس میں مغایر کی بو ہو۔ آئندہ میں وہ شہد نہیں پیوں گا۔“

حضرت عائشہؓ کی ایک اور سوت صفیہ کھانا پکانا بہت اچھا جانتی تھیں۔ اور ان کے ہاتھ کا کھانا رسول اللہ صلیم بہت شوق سے تناول فرماتے تھے حضرت

عائشہؓ کو یہ بات بُری لگی۔ وہ خود ذکر کرتی ہیں کہ میں نے صفیہ سے بہتر کھانا پکانیوالی اور کوئی عورت نہیں دیکھی۔ ایک دن رسول اللہ ﷺ حضرت عائشہؓ کے گھر تشریف فرماتے تھے کہ صفیہؓ نے ایک لکڑی کے پیالے میں حضورؐ کے لئے کچھ کھانا بھیجا۔ وہ یہ دیکھ کر اپنے غصے کو ضبط نہ کر سکیں اور پیالے کو اتنے زور سے زمین پر مارا کہ وہ ٹوٹ گیا۔ لیکن فوراً ہی انھیں اپنے فعل پر ندامت ہوئی اور انہوں نے عرض کیا۔

”یا رسول اللہ! میرے اس فعل کا کیا کفارہ ہو سکتا ہے؟“

حضورؐ نے فرمایا: ”برتن کے بدلے برتن اور کھانے کے بدلے کھانا“۔ تمام بیویوں میں حضرت ام سلمہؓ حضرت عائشہؓ کا کھلم کھلا مقابلہ کیا کرتی تھیں چونکہ رسول اللہ ﷺ ان کی طبیعت اور سرشت سے اچھی طرح واقف تھے، اس لئے ان سے بہت اچھا سلوک کرتے تھے حضرت عائشہؓ کو یہ دیکھ کر بہت تکلیف ہوتی تھی چنانچہ وہ بیان کرتی ہیں کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ میرے پاس تشریف لائے میں نے کہا: ”آپ سارا دن کہاں رہے؟“ حضورؐ نے جواب دیا۔ ”حمیراؤ! میں ام سلمہؓ کے پاس تھا“ میں نے کہا: ”نہ معلوم ام سلمہؓ کے پاس بیٹھ کر آپ کو کیا ملتا ہے؟“ حضورؓ یہ سن کر مسکرا دیئے اور زبان سے کچھ نہیں کہا۔ میں نے کہا: ”یا رسول اللہ! یہ تو بتائیے۔ دو گھاٹیاں ہوں۔ ایک گھاٹی بنجر ہو جس کا سبزہ جانوروں نے کھا کر ختم کر دیا ہو اور ایک گھاٹی سرسبز و شاداب ہو اور جانوروں سے بالکل محفوظ تو آپ کس گھاٹی میں سیر کرنا پسند کریں گے؟“ حضورؐ نے جواب دیا۔ ”سرسبز و شاداب گھاٹی میں“ میں نے کہا: ”تب میرا رتبہ دوسری تمام بیویوں سے بلند تر ہے کیونکہ میرے سوا اور کوئی کنواری عورت آپ کے عقد میں نہیں آئی۔“

یہ سن کر رسول خدا ﷺ دوبارہ مسکرا دیئے۔

جو عورت ایسی معمولی باتوں کے باعث اپنی سوتوں پر رشک کا اظہار کر

سکتی ہے اس کے متعلق یہ اندازہ کرنا دشوار نہ ہوگا کہ کسی بیوی سے اولاد پیدا ہونے پر اس کے جذبہ رقابت نے کس حد تک ترقی کی ہوگی۔ چنانچہ اتم ابراہیم مار یہ قبطیہ کے خلاف حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا جذبہ غیرت باقی سب بیویوں سے بڑھا ہوا تھا۔ اور انہوں نے اپنے اس جذبہ رشک و غیرت کو دیگر بیویوں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے چھپایا بھی نہیں۔

اس میں شبہ نہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اتنی محبت تھی کہ وہ آپ کی ناراضی برداشت نہ کر سکتی تھیں۔ لیکن اسی کے ساتھ وہ ایک عورت کا دل بھی اپنے اندر رکھتی تھیں اور ان کی نسوانی طبیعت تھا ثنا کرتی تھی کہ جب وہ اپنی کسی سوت میں کوئی ایسی خوبی دیکھیں جو ان کے محبوب خاوند کی توجہ کو ان سے ہٹانے والی ہو تو اس کے خلاف منافرت، غیرت اور رشک کا اظہار کریں۔ جہاں یہ امر طبعی ہے کہ اپنے خاوند سے سچی محبت رکھنے والی بیوی اپنے خاوند کی مسرت میں پورے طور پر حصہ دار ہوتی ہے وہاں یہ امر بھی فطرت کے عین مطابق ہے کہ اگر اس کے خاوند کی مسرت کا اصل باعث اس کی کوئی سوت ہو تو وہ اس پر رشک و غیرت کا اظہار کئے بغیر نہیں رہ سکتی۔

رشک و حسد کے اس مظاہرے کو دیکھ کر کبھی کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ناراضی بھی ہو لیتے تھے۔ لیکن اس سے مقصود محض ان کی اصلاح ہوتی تھی نہ کچھ اور چنانچہ ایک مرتبہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے متعلق کہہ دیا کہ وہ ٹھگنے قد کی عورت ہیں یہ بات سن کر حضور ناراض ہوئے اور فرمایا: "عائشہ! تم نے ایسی بات کہہ دی ہے کہ جسے اگر سمندر کے پانی میں بھی ملانا چاہو تو ملا سکتی ہو!"

اس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عائشہ رضی اللہ عنہا کو یہ سبق سکھانا چاہتے تھے کہ کسی کی تحقیر کرنا، اس پر پھبتی اڑانا اور استہزاء سے پیش آنا کسی مسلمان کو زیب نہیں دیتا۔

چہ جائیکہ ام المومنین اور زوجہ رسول اللہ کو۔

ناز و ادا اور بات بات پر خاوند سے روٹھ جانا بھی عورت کی طبیعت کا ایک خاصہ ہے۔ حضرت عائشہؓ کو اس خصلت سے بھی وافر حصہ ملا ہوا تھا اور اگر یہ کہا جائے کہ ناز و ادا میں بہت کم عورتیں آپ کی ہم پلہ ہیں تو غلط نہ ہوگا۔

ایک مرتبہ اہل بیت المومنین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مطالبہ کیا کہ ان کے نان و نفقہ میں اضافہ کیا جائے کیونکہ انہیں جو گزارہ ملتا ہے وہ ان کی ضروریات کے لحاظ سے بہت کم ہے۔ لیکن یہ امر ازواج النبی کی شان کے خلاف تھا کہ وہ بھی دنیا دار لوگوں کی طرح مال و دولت کے پیچھے پڑ جائیں۔ پہلے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے لیکن جب اس مطالبہ نے شدت اختیار کی تو آپ ان سے ناراض ہو گئے اور قسم کھالی کہ ایک مہینہ تک نہ کسی بیوی کے پاس جائیں گے نہ کسی سے بات کریں گے ادھر مسلمانوں میں یہ مشہور ہو گیا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی تمام بیویوں کو طلاق دے دی۔

یہ خبر سن کر لوگوں میں سخت ہجیان پیدا ہو گیا کیونکہ رسول اللہ کا اپنی نسب بیویوں کو طلاق دے دینا معمولی واقعہ نہ تھا، اس کا اثر عام مسلمانوں پر ہی نہیں بلکہ ان قبائل پر بھی پڑنا تھا جن سے تعلقات قائم رکھنے کے لئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان سے سلسلہ مصاہرت قائم کیا تھا صحابہ پر اس غیر معمولی خبر کا جو اثر ہوا اس کا اندازہ اس واقعہ سے ہو سکتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے حضرت خطاب کے ایک انصاری دوست نے رات کے وقت یہ خبر سنی وہ بھاگے بھاگے حضرت عمرؓ کے مکان پر آئے اور اتنے زور سے دروازہ کھٹکھٹایا کہ حضرت عمرؓ سخت اضطراب کی حالت میں باہر نکل آئے اور پوچھا کہ کیا ہوا۔ انہوں نے کہا کہ میں ایک ہولناک خبر لے کر تمہارا بیٹے



پاس آیا ہوں۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا۔ وہ کیا کیا عیسائیوں نے حملہ کر دیا۔ انصاری دوست نے کہا: نہیں وہ خبر اس سے بھی زیادہ وحشت انگیز ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنی بیویوں کو طلاق دے دی۔

یہ سن کر حضرت عمرؓ فوراً رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچے اور ان سے حقیقت حال دریافت کی معلوم ہوا کہ حضورؐ نے طلاق نہیں دی بلکہ صرف ایک ماہ کے لئے بیویوں سے علیحدگی اختیار کر لی ہے۔ حضرت عمرؓ نے حضورؐ سے اجازت لے کر مسلمانوں تک (جو سخت اضطراب کی حالت میں مسجد میں جمع تھے) یہ خبر پہنچا دی کہ طلاق کی خبر غلط ہے۔

اس امر پر تو کسی کو شبہ ہو ہی نہیں سکتا کہ اس واقعہ سے سب سے زیادہ قلق امہات المؤمنین کو ہوا تھا، کیونکہ اس کا براہِ راست تعلق ان ہی سے تھا اور ایسی سخت سزا اس سے قبل انہیں نہ ملی تھی چنانچہ اس واقعہ کا ان کے دل پر گہرا اثر تھا اور یہ پورا مہینہ انہوں نے سخت بے چینی میں گزارا۔

ان تیس دن کے بعد رسول خدا ﷺ بالاخانہ سے اترے اور سب سے پہلے حضرت عائشہؓ کے پاس تشریف لائے۔ اگرچہ انہیں جدائی کا ایک ایک لمحہ کاٹنا بھی دشوار ہو رہا تھا لیکن وہ اپنے ناز و ادا کا اظہار کئے بغیر نہ رہ سکیں اور پہلی بات جو ان کے منہ سے نکلی وہ یہ تھی۔

”یا رسول اللہ! آپ نے قسم کھائی تھی کہ آپ مہینہ بھر تک ہم سے علیحدہ رہیں گے لیکن ابھی تو ۲۹ دن ہی ہوئے ہیں۔ آپ کیسے تشریف لے آئے؟“

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”مہینہ ۲۹ دن کا بھی ہوتا ہے“

کسی شخص کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہیں آسکتی تھی کہ حضرت عائشہؓ نے ۳۰ دن تک حضورؐ سے جدا رہنے کی خواہشمند تھیں اور اس میعاد کے گزرنے

کی سب سے بڑی خواہش یہی تھی کہ اللہ تعالیٰ ان سے کبھی ناراض نہ ہو۔ اسلئے  
 جوہنی انہیں معلوم ہوا کہ یہ باتیں اللہ تعالیٰ کی ناراضی کا موجب ہوتی ہیں۔  
 فوراً انہیں ترک کر دیا۔



## عائشہ رضی

حضرت عائشہ رضی ام رومان کے بطن سے پیدا ہوئیں۔ ام رومان کے نام اور نسب کے متعلق اختلاف پایا جاتا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ ان کا نام "زینب" تھا اور بعض کہتے ہیں وعد تھا۔ وہ بنو کنانہ سے تعلق رکھتی تھیں۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی کے عقد میں آنے سے قبل وہ عبداللہ بن حارث بن سخیرہ کی زوجیت میں تھیں اور ان سے ایک لڑکا "طفیل" بھی پیدا ہوا تھا عبداللہ کی وفات کے بعد حضرت ابو بکر رضی نے ان سے شادی کر لی۔

وہ بہت ذکی اور فہیم خاتون تھیں۔ انہیں آغاز اسلام ہی میں قبولیت حق کی توفیق ملی اور وہ مسلمان ہو گئیں۔ بعد میں ہجرت کی سعادت بھی نصیب ہوئی اور دین حقہ کی راہ میں ان کے نامور شوہر نے جو تکلیفیں اٹھائیں ان میں وہ ان کی برابر کی شریک رہیں۔ ان کے صدق و اخلاص کو دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔

”جو شخص اس دنیا میں جنت کی حور کو دیکھنا چاہے وہ ام رومان کو دیکھ

کا شکر یہ ادا کرو۔“

میں نے کہا: خدا کی قسم! نہ میں کھڑی ہوں گی اور نہ اللہ کے سوا کسی کا شکر یہ ادا کروں گی جس نے میری بریت نازل فرمائی۔“

اس موقع پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روٹھ جانا فطرت کے عین مطابق تھا۔ ان پر ایک ایسا بہتان لگایا گیا جس سے وہ بالکل پاک تھیں لیکن کسی شخص نے کھلم کھلا اس کی تردید نہ کی۔ بعض لوگ خاموش رہے اور بعض نے انتہائی غیر مناسب طریقے پر اسے موضوع گفتگو بنا لیا۔ یہی وجہ تھی کہ جب اللہ تعالیٰ نے آپ کی بریت نازل فرمائی تو رنج اور غصہ کی وجہ سے وہ حضورؐ سے روٹھ گئیں اور آپ نے بھی اُسے بُرا نہیں منایا۔

بعض اوقات حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ناراض ہو جاتیں لیکن اپنی ناراضی کو ظاہر نہ ہونے دیتیں۔ تاہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فوراً بھانپ جاتے۔ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

”عائشہ! جس وقت تم مجھ سے ناراض ہو جاتی ہو تو مجھے فوراً پتہ لگ جاتا ہے۔“  
حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا: ”یا رسول اللہ! وہ کیسے؟“  
حضور نے فرمایا:۔

”جب تم مجھ سے راضی ہوتی ہو تو کہتی ہو، محمدؐ کے رب کی قسم! فلاں بات اس طرح ہے۔ اور جب ناراض ہوتی ہو تو کہتی ہو، ابراہیمؑ کے رب کی قسم! یہ اس طرح ہے۔“  
یہ سن کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا:۔

یا رسول اللہ! یہ بات ٹھیک ہے۔ ناراضی کے وقت میں صرف آپ کا نام چھوڑ

دیتی ہوں۔“

ناز و ادا کی یہ کیسی بہترین مثال ہے جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے پیش کی۔

نسوانی طبیعت کے تقاضے کے باعث انہیں اپنے بچپن کے واقعات سے دلچسپی تھی اور ان واقعات کو بڑے پر لطف طریقے سے بیان کیا کرتی تھیں۔ گوزو جبر رسول اللہ ہونے کی وجہ سے بہت تنگی سے گزارہ کرتی تھیں، بائیں ہمہ انہیں بناؤ سنگار کرنے اور زرق برق کپڑے پہننے کا بہت شوق تھا۔ خود بیان کرتی ہیں کہ ایک دفعہ میں اپنے گھر میں اکیلی تھی۔ نئے کپڑے پہنے ہوئے ٹہل رہی تھی اور بار بار انہیں دیکھ کر خوش ہو رہی تھی۔ اتنے میں ابو بکرؓ گھر میں آئے اور کہا:

عائشہ! تمہیں معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ اس وقت تمہیں نہیں دیکھ رہا!  
میں نے پوچھا۔ ”کیوں؟“  
انہوں نے جواب دیا۔

”جب کسی دنیوی چیز کی وجہ سے بندے میں خود پسندی کا جذبہ پیدا ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس سے ناراض ہو جاتا ہے۔ اور اس وقت تک ناراض رہتا ہے جب تک وہ اس زیبائش والی چیز کو اپنے سے علیحدہ نہ کر دے۔“

یہ سن کر میں نے وہ کپڑے اتار دیئے اور کچھ صدقہ بھی دیا۔ اس پر ابو بکرؓ نے کہا۔

”اب امید ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہارا گناہ بخش دے گا۔“

اس واقعہ سے حضرت عائشہؓ کی سیرت کے دونوں پہلو ظاہر ہو جاتے ہیں۔ نسوانی خصوصیات کی حامل ہونے کی وجہ سے ان میں بناؤ سنگار کرنے اور نئے نئے کپڑے پہننے کا بے حد شوق تھا۔ اسی لئے وہ اپنے کپڑوں کو دیکھ دیکھ کر خوش ہو رہی تھیں۔ دوسری طرف وہ ام المومنین تھیں اور ان

سے حضورؐ کا اپنے پاس آنا پسند نہ کرتی تھیں۔ انہیں تو آپ کی جدائی کے باعث ایک لمحہ کے لئے بھی فرار نہ تھا۔ لیکن ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ وہ اپنے پہلو میں ایک عورت کا دل رکھتی تھیں اور ایک عورت اپنے خاوند سے جس قدر ناز و ادا کے ساتھ پیش آئے بچا ہے۔

حضرت عائشہؓ کی زندگی کا اہم ترین واقعہ بہتان طرازی کا وہ افسانہ ہے جسے منافقین نے اپنے ناپاک مقاصد کی مطلب براری کے لئے گھر گھر مسلمانوں میں پھیلا یا تھا۔ اس واقعہ کا علم حضرت عائشہؓ کو مہینہ بھر بعد ہوا اپنے متعلق اس قسم کے ناپاک الزامات کا ذکر سن کر انہیں انتہائی صدمہ ہوا اور وہ رسول اللہ صلیم سے اجازت لے کر اپنے گھر چلی گئیں۔ وہاں والدین سے شکوہ کیا کہ ایک مہینہ سے شہر میں اس قسم کے چرچے ہو رہے ہیں کہ انہوں نے اس کے متعلق ایک حرف بھی انہیں نہیں بتایا۔ اس واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے عائشہؓ بیان کرتی ہیں۔

”میں اپنے والدین کے گھر ہی میں تھی کہ حضورؐ تشریف لائے سلام کیا اور بیٹھ گئے۔ کچھ دیر کی خاموشی کے بعد فرمایا۔ عائشہؓ! تمہارے بارے میں اس قسم کی باتیں میرے پاس پہنچی ہیں۔ اگر تم بے گناہ ہو تو اللہ تعالیٰ خود تمہاری بریت نازل فرمائے گا۔ اور اگر تم واقعی اس گناہ میں ملوث ہو گئی تو اللہ تعالیٰ سے استغفار اور توبہ کرو کیونکہ جب بندہ اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی بخشش طلب کرتا ہے تو وہ غفور الرحیم بھی اسے معاف کر دیتا ہے۔“

جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی بات ختم کر چکے تو میرے وہ آنسو جو کھیلے کسی دن سے جاری تھے، یکایک ختم گئے اور مجھے ایسا محسوس ہوا کہ میری آنکھوں میں آنسو کا کوئی قطرہ تھا ہی نہیں۔ میں نے والد سے کہا۔ رسول اللہؐ کو جواب دیجئے!

انہوں نے فرمایا: میری سمجھ میں تو کچھ نہیں آتا کہ میں کیا جواب دوں۔ اس پر میں نے والدہ سے کہا: آپ جواب دیجیئے۔ انہوں نے بھی یہی کہا کہ میری سمجھ میں تو کچھ نہیں آتا۔

”میں اس وقت کم سن تھی اور زیادہ قرآن بھی پڑھا ہوا نہیں تھا۔ یہ باتیں سن کر میں نے کہا۔“

”آپ نے یہ بات اتنے تو اتر سے سنی ہے کہ وہ آپ کے دلوں میں راسخ ہو گئی ہے اور آپ نے اسے تسلیم کر لیا ہے۔ اگر میں یہ کہوں کہ میں بے گناہ ہوں اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ میں بے گناہ ہوں تو آپ لوگ میری بات نہیں مانیں گے۔ لیکن اگر میں کسی گناہ کا اعتراف کر لوں، حالانکہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ میں اس سے بری ہوں تو آپ لوگ جھٹ میری بات مان لیں گے۔ خدا کی قسم! میں صرف وہی بات کہہ سکتی ہوں جو یوسف علیہ السلام کے والد نے کہی تھی۔ یعنی فصلہ و جمیل واللہ المستعان علی ما تصفون۔ (صبر کرنا ہی بہتر ہے اور ان باتوں کے مقابلے میں جو تم بیان کرتے ہو، اللہ تعالیٰ ہی میرا مددگار ہے۔“

اس کے بعد میں منہ پھیر کر اپنے بستر پر لیٹ گئی۔

خدا کی قسم! ابھی رسول خدا صلعم اپنی جگہ سے اٹھے نہ تھے اور گھروالوں سے کوئی باہر نہ گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی پر وحی نازل فرمائی اور رسول اللہ صلعم پر وہی کیفیت طاری ہو گئی جو نزول وحی کے وقت ہو ا کرتی تھی۔ اس وقت شدت سرما کے باوجود موتیوں کی مانند پسینے کے قطرے حضور کے چہرہ مبارک سے ٹپک رہے تھے۔ جب یہ حالت جاتی رہی تو آپ مسکرائے اور پہلی بات یہ کہی: عائشہ تمہیں بشارت ہو۔ اللہ تعالیٰ نے تمہاری بریت نازل فرمادی ہے۔“

یہ سن کر میری والدہ کہنے لگیں: عائشہ! کھڑی ہو جاؤ اور رسول اللہ صلعم

ان کے سن وفات کی تعیین میں بھی اختلاف ہے بعض کہتے ہیں کہ وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زندگی ہی میں وفات پا گئی تھیں لیکن کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانے تک زندہ رہیں۔ امام بخاری نے بھی مؤخر الذکر روایت کو لیا ہے اور ہمارے نزدیک بھی یہی روایت مختلف وجوہات کی بنا پر قابل ترجیح ہے۔

یہ امر متفق نہیں ہو سکا کہ حضرت عائشہؓ کس سن میں پیدا ہوئیں تاہم اغلب خیال یہ ہے کہ ان کی ولادت ہجرت سے گیارہ بارہ سال قبل ہوئی۔ اس لحاظ سے رسول خدا صلعم کے عقد زوجیت میں آنے کے وقت ان کی عمر چودہ سال کے لگ بھگ بنتی ہے۔

روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عائشہؓ کی رنگت سرخ و سپید تھی اسی لئے رسول اللہ صلعم انہیں "حمیرا" کے نام سے پکارتے تھے۔ قدلبا تھا کیونکہ احادیث سے پتہ لگتا ہے کہ وہ ٹھگنے قد کو پسند کرتی تھیں۔ چنانچہ ایک مرتبہ رسول خدا صلعم سے اپنی سوکن حضرت صفیہؓ کا ذکر کرتے ہوئے انہوں نے کہا۔

"یا رسول اللہ! وہ تو پست قد کی عورت ہے۔"

یہ سن کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ان پر ناراض ہوئے اور فرمایا۔

"عائشہ! تم نے (اخلاقی لحاظ سے) ایسی بات کہی ہے کہ اگر اسے سمندر کے پانی میں بھی ملانا چاہو تو ملا سکتی ہو۔"

بچپن میں وہ بہت دہلی پتلی ہوتی تھیں۔ چنانچہ واقعہ انک کے ذیل میں وہ خود فرماتی ہیں۔

ہووج کو اونٹ پر رکھنے والے آئے اور میرے ہووج کو اٹھا کر اونٹ پر رکھ دیا۔ ان کا خیال تھا میں اسی میں ہوں۔ اس زمانے میں عورتیں دہلی پتلی ہوتی



تھیں اور ان پر گوشت چڑھا ہوا نہیں ہوتا تھا کیونکہ ان کو خوراک بہت کم ملتی تھی۔  
میں تو اس زمانے میں تھی بھی کس، چنانچہ جس وقت ہو ورج اٹھانے والوں نے  
ہو ورج کو اونٹ پر رکھا تو ہلکا ہونے کے باوجود انہیں ہو ورج کے خالی ہونے کا  
شہ بھی نہ ہوا۔“

تاہم چند سال بعد ان میں تدرے موٹا پا آگیا تھا چنانچہ ایک دوسرے موقع  
پر فرمایا:

میں ایک دفعہ سفر کے دوران رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھی۔ اس وقت میں  
کم سن ہی تھی اور مجھ پر گوشت چڑھا ہوا نہ تھا۔ راستے میں حضور نے اپنے ہم سفر لوگوں  
سے فرمایا: ذرا آگے بڑھ جاؤ؟ چنانچہ لوگ آگے بڑھ گئے تب حضور نے مجھ سے کہا  
آؤ دوڑ کا مقابلہ کریں۔ دیکھیں کون بازی لے جاتا ہے؟ میں چونکہ ہلکی پھلکی تھی اس  
لئے حضور سے آگے نکل گئی، حضور خاموش رہے اور کچھ نہیں فرمایا۔ پھر ایک دفعہ دوبارہ  
سفر کا موقع آیا۔ رسول اللہ نے حسب سابق لوگوں کو آگے بھیج کر مجھ سے دوڑ کا مقابلہ  
کرنے کے لئے کہا۔ اس وقت مجھ پر گوشت چڑھا ہوا تھا اس لئے میں دوڑ میں حضور  
سے پیچھے رہ گئی۔ حضور مسکرائے اور فرمایا:

”عائشہ! وہ پھیلا بدلہ اتر گیا۔“

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی بیان کردہ بعض روایات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ شدید  
بخار کی وجہ سے ان کے بال جھڑ گئے تھے چنانچہ منجملہ دیگر روایات کے ایک روایت  
یہ بھی ہے کہ ایک مرتبہ انہوں نے عورتوں کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا:  
”تم میں سے جس عورت کے بال ہوں وہ انہیں سنوار کر رکھے۔“

لہ اس سلسلہ میں واضح روایت وہ ہے جس میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اپنے نکاح اور خست  
کے حالات بیان کرتے ہوئے فرماتی ہیں:

(باقی صفحہ پر)

حضرت عائشہؓ میں سخاوت کا مادہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ یہ خصلت انہوں نے اپنے والد محترم سے ورثہ میں پائی تھی۔ اور وہ ان کے نقش قدم پر چلنا اپنا فرض خیال کرتی تھیں۔ غلاموں کو آزاد کرنے، بکیوں کی ہمدردی کرنے، محتاجوں کی مدد کرنے اور مصیبت زدوں کی مصیبت دور کرنے میں ان کا مال بے دریغ خرچ ہوتا تھا۔ ان کی غریب پروری، سخاوت اور بذل و عطا کی یہ حالت عسرویسرہ حالت میں یکساں رہی۔ رسول اللہ صلیع کے زمانے میں ان کی زندگی بہت عسرت میں بسر ہوئی۔ مال و دولت تو کجا، دو وقت کے کھانے کو بھی مشکل ہی سے میسر آتا تھا۔ حضورؐ کے بعد جب فتوحات کا سلسلہ وسیع ہوا اور مدینے میں دولت کی ریل پیل ہونے لگی تو امہات المؤمنین کے بیش قرار و وظیفے مقرر ہو گئے۔ لیکن حضرت عائشہؓ کے معمول میں فرق نہ آیا۔ رسول اللہ صلیع کے زمانے میں بھی ان کے پاس جو کچھ ہوتا تھا، یہ خیال کئے بغیر کہ اگلے دن کی روٹی کا انتظام کس طرح ہوگا، وہ اسے محتاجوں میں تقسیم کر دیتی تھیں اور بعد میں جب مال و دولت کی افراط ہو گئی تب بھی کبھی ایسا نہ ہوا کہ وظیفہ آیا ہو اور شام سے پہلے پہلے غریبوں میں تقسیم نہ ہو گیا ہو۔

عتبہ بن ابوالہلب کی ایک حبشی لونڈی بریرہ تھی جس کی شادی اس کی مرضی کے بغیر مغیرہ کے ایک غلام سے ہو گئی تھی۔ بریرہ کو اپنے شوہر سے سخت نفرت تھی۔ اور وہ اس سے تعلق رکھنا قطعاً پسند نہ کرتی تھی۔ حضرت عائشہؓ نے اس پر تڑس کھا کر عتبہ سے اسے خرید کر آزاد کر دیا۔ اس کے بعد رسول اللہ صلیع سے پوچھا کہ بریرہ کا نکاح حالت غلامی میں اس کی رضامندی کے بغیر کر دیا تھا تھا۔ اب اگر وہ چاہے تو اسے فسخ کر سکتی ہے یا نہیں۔ حضورؐ نے جواب دیا۔

”اب وہ اپنی مالک و مختار آپ ہے۔ اسے اختیار ہے چاہے فسخ کر دے چاہے قائم رکھے۔“

بریرہ کے شوہر کی حالت اس کے برعکس تھی۔ وہ اس سے بے انتہا محبت کرتا تھا اور ہر وقت بریرہ کے پیچھے پھرتا رہتا تھا۔ لیکن بریرہ اس سے مطلق ملتفت نہ ہوتی تھی۔ میاں بیوی کی ان متضاد حالتوں کو دیکھ کر رسول اللہ صلیم کو بہت تعجب ہوا اور آپ نے صحابہ سے ذکر فرمایا کہ بریرہ کے شوہر کو دیکھو اگرچہ بیوی اس سے سخت نفرت کرتی ہے لیکن اس کی محبت کا یہ حال ہے کہ وہ اس سے جدا ہونا مطلقاً پسند نہیں کرتا۔ بالآخر آپ نے بریرہ سے کہا۔ اللہ سے ڈرو اور اپنی ضد کو ترک کر دو۔ وہ تمہارا خاوند ہے اور تمہارے بیٹے کا باپ! اس نے کہا۔ کیا آپ مجھے حکم دیتے ہیں؟ حضور نے فرمایا۔ نہیں میں حکم نہیں دیتا۔ صرف سفارش کرتا ہوں! لیکن بریرہ اس پر بھی راضی نہ ہوئی اور کہا۔ مجھے اپنے شوہر سے نفرت ہے اور میں اس کے پاس جانا نہیں چاہتی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بریرہ پر جو احسان کیا تھا اس کا یہ اثر ہوا کہ بریرہ مستقل طور پر ان کی ہی خدمت میں رہنے لگی اور مرتے دم تک آپ کے احسان کو نہ بھولی حضرت عائشہؓ کو اخلاقِ حسنہ سے جو حصہ وافر عطا ہوا تھا اس کا سب سے بڑا سبب اس پاک ہستی کا قرب تھا جسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے رحمۃ اللعالمین کا خطاب مرحمت ہوا تھا۔ اور سجا طور پر یتیموں کا والی اور غلاموں کا مولا تھا۔ عائشہؓ کو جو فطری خصائل و دعوت کے گئے تھے رسول اللہ صلیم کی پاک صحبت نے انہیں اوجِ کمال تک پہنچا دیا۔ ثبوت کے لئے ذیل کا واقعہ ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت عائشہؓ کے پاس ایک یتیم لڑکی فارعہ بنت اسعد تھی۔ اس کی شادی انہوں نے نبلیط بن جابر انصاری سے کی اور اسے شوہر کے گھر چھوڑنے خود تشریف لے گئیں جب واپس آئیں تو رسول اللہ صلیم نے پوچھا۔ تم نے کچھ گانے بجانے کا سامان بھی کیا تھا یا نہیں؟ انہوں نے جواب دیا۔ یا رسول اللہ! کلنے بجانے کا تو

دوہ پاک دامن اور باوقار تھی بشتنبہ نہیں تھی اور بھولی بھالی لڑکیوں کا گوشت

کھانے (یعنی غنیمت کرنے) سے باز رہتی تھی۔)

پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: ”لیکن تم تو ایسے نہیں ہو۔“

یہ دیکھ کر مجھ سے ضبط نہ ہو سکا۔ اور عرض کیا: آپ حسان کو باریابی کی اجازت کیوں دیتی ہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے انہی کے متعلق فرمایا ہے۔

وَالَّذِي تَوَلَّى كِبْرَهُ مِنْهُمْ لَهُ عَذَابٌ أَلِيمٌ

جس شخص کا اس بہتان میں بڑا حصہ تھا اسے بہت بڑا عذاب بھگتنا پڑے گا۔

یہ سن کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ”تم دیکھتے نہیں کہ کس قدر دردناک عذاب میں مبتلا

ہیں، ان کی آنکھیں جاتی رہی ہیں۔“

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اس واقعہ کا کتنا رنج تھا۔

حتیٰ کہ انہوں نے حسان کو جتا بھی دیا کہ تم نے مجھ پر کیا اتہام لگایا تھا۔

البتہ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے حسان کو معاف کر دیا تھا۔

چنانچہ یوسف بن مالک اپنی والدہ کی زبانی یہ روایت بیان کرتے ہیں۔

”میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ خانہ کعبہ کا طواف کر رہی تھی۔ باتوں باتوں میں

حسان کا ذکر آگیا۔ میں نے انہیں برا بھلا کہا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: تم حسان کو

برا بھلا کہتی ہو حالانکہ انہوں نے یہ شعر کہا ہے۔

فان ابی ووالدہ وعرصی بعرض محمد منکم وقاء

(میرے باپ دادا کی اور میری عزت و آبرو محمد کی عزت تم (کافروں)

سے بچانے کے لئے سپر ہے)

اے حسان بن ثابت بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر بہتان لگانے والوں کے ساتھ تھے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اسی طرف اشارہ کیا۔ (مترجم)

میں نے کہا، کیا حسان ان لوگوں میں نہیں ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے آپ پر اتہام لگانے کی پاداش میں دنیا اور آخرت میں لعنت بھیجی ہے۔  
حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا:

”یہ حسان ہی تو ہیں جنہوں نے میرے متعلق یہ اشعار کہے ہیں۔“

حصان دزان ماتزن بویبۃ      وتصبیع غرقا من لغوم الغوافل  
فان کان ما قد جاء عنی قلۃ      فلا رفعت سوطی الی انامل

عائشہ رضی اللہ عنہا تو بہت باوقار اور پاکباز خاتون ہیں۔ ان کی عصمت و عفت کے متعلق شبہ بھی نہیں ہو سکتا۔ وہ بھولی بھالی لڑکیوں کا گوشت نہیں کھاتیں۔ اگر وہ باتیں جو میری طرف منسوب کی جاتی ہیں، سچ ہوں تو خدا کرے میرا ہاتھ بالکل شل ہو جائے۔“

ہشام بن عروہ اپنے والد سے روایت بیان کرتے ہیں۔

”میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر تھا کہ حسان بن ثابت کا جنازہ گزرا۔ میں نے ان کی نسبت کچھ نازیبا الفاظ کہے لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے مجھے روک دیا اور ان کے اشعار کا ذکر کرنے لگیں۔ انہوں نے کہا: تم حسان کو برا بھلا کہتے ہو حالانکہ یہ شعرا نہیں کاہے۔“

فان ابی ووالدہ عرضی      لعرض محمد منکم وقاء

(میرے باپ دادا کی اور میری عزت و آبرو محمد کی عزت تم (کافروں) سے بچانے کے لئے سپر ہے۔)

بہر حال یہ امر وثوق سے کہا جاسکتا ہے کہ گو حسان کی باتوں کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے

فراموش نہ کر سکتی تھیں لیکن آپ نے درگزر سے کام لیا اور ان کی غیبت سے اپنی زبان کو آلودہ نہ کیا۔

جنگ جمل کے واقعات پڑھ کر یہ علم بھی ہوتا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جہیر الصوت تھیں اور تقریر میں انہیں خاص ملکہ حاصل تھا چنانچہ جب وہ اپنے ہووج پر سوار ہو کر فوج سے خطاب کرتی تھیں تو سارے لشکر میں سناٹا چھا جاتا تھا اور ہر شخص ہمتن گوش ہو کر آپ کی تقریر سنتا تھا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے جملہ اوصاف و خصائل کا جائزہ لینے سے معلوم ہوتا ہے کہ بیشتر عادات و اخلاق انہیں اپنے والد محترم سے ورثہ میں ملے تھے حضرت ابو بکرؓ بہت خوبصورت انسان تھے چنانچہ بعض روایات میں آتا ہے کہ "عتیق" کا لقب انہیں خوبصورتی ہی کی وجہ سے ملا تھا۔ وہ چھریسے بدن کے تھے۔ اسی طرح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی دہلی پتی تھیں حضرت صدیقؓ کی طبیعت میں قدرے تیزی تھی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی بھی یہی حالت تھی۔ وہ بہت ذکی اور فہیم انسان تھے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ذکاوت و فطانت میں بھی کون شبہ کر سکتا ہے حضرت صدیقؓ بے حد رحم دل، اور محتاجوں، غریبوں اور مسکینوں کی حد درجہ ہمدردی کرنے والے تھے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی سخاوت اور فیاضی میں ایسی ہی تھیں اور غریب اور مسکین عورتوں پر بے حد شفیق اور مہربان۔

ابو بکرؓ نے جاہلیت اور اسلام، کسی زمانے میں بھی جھوٹ نہیں بولا اور اسی وجہ سے صدیقؓ کہلائے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی زندگی بھر میں ایک جھوٹ ثابت نہیں اور اسی خصلت کے باعث آج تک آپ کو صدیقہ کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ حضرت صدیقؓ بڑے فصیح و بلیغ تھے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی طاقت لسانی کے ذکر

(بقیہ خاشیہ ص ۱۰) "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے میرا نکاح چھ سال کی عمر میں (مکہ میں) ہوا تھا جب ہم ہجرت کر کے مدینہ پہنچے تو بنو الحارث بن خزرج کے محلہ میں اترے۔ وہاں مجھے بخار آنے لگا جس سے میرے سر کے بال جھڑ گئے۔" (بخاری)

سے بھی کتب احادیث بھری پڑی ہیں۔ غرضیکہ عادات و اطوار اور اخلاق کے لحاظ سے حضرت عائشہؓ بالکل اپنے والد کی مثل تھیں۔ یہی وجہ تھی کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہؓ کی گفتگو سنتے تو فرمایا کرتے۔

”کیوں نہ ہو، آخر ابو جبرؓ کی بیٹی ہے!“

یہ امر عام طور پر مشاہدہ میں آتا ہے کہ جس شخص کی طبیعت میں تیزی ہوتی ہے اسے گونگتہ جلدی آجاتا ہے لیکن یہ حالت تھوڑی دیر تک رہتی ہے کچھ دیر بعد جب اس کا غصہ اتر جاتا ہے تو اسے یاد بھی نہیں رہتا کہ کیا واقعہ ہوا تھا۔ ایسا شخص درگزر کرنے میں بھی بخل سے کام نہیں لیتا اور بہت جلد قصور واروں کو معاف کر دیتا ہے۔ یہی حال حضرت عائشہؓ کا بھی تھا۔ اگر کسی فرد کی طرف سے انہیں تکلیف پہنچتی تو وہ بہت جلد اسے معاف کر دیا کرتی تھیں، البتہ واقعہ انک کی یاد ہمیشہ آپ کے دل میں جاگزیں رہی اور آپ بہتان لگانے والوں اور ان کی باتوں کو کبھی نہ بھول سکیں۔ ایسا کرنے میں آپ یقیناً حق بجانب تھیں حضرت عائشہؓ ہی پر موقوف نہیں، کوئی بھی پاکباز عورت ایسے اوجھے اور ناپاک اتہام کو برداشت نہیں کر سکتی جس سے اس کی عصمت پر ذرا سا بھی حرف آتا ہو۔ چنانچہ اس غم و اندازہ کا اندازہ بھی نہیں لگایا جا سکتا جو صدیقہ کو واقعہ انک کی وجہ سے پیا ہوا تھا۔ اس ایک واقعہ کے علاوہ اور کوئی واقعہ ہمیں ایسا نہیں ملتا کہ حضرت عائشہؓ کو کسی جانب سے کوئی تکلیف پہنچی ہو۔ اور آپ نے اسے فراموش نہ کر دیا ہو۔

مسروق ہمدانی بیان کرتے ہیں:

”میں حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس وقت حنان بن ثابت بھی

موجود تھے اور اپنی لڑکی کا مرنیہ پڑھ رہے تھے جب وہ اس شعر پر پہنچے۔

دنان حصان ماتون بریبۃ      وتصبع غوثی من لحوم العوائل

کوئی سامان نہیں کیا۔ رسول اللہ صلعم نے فرمایا: تمہیں چاہیے تھا کہ کسی لڑکی کو بھیج دیتیں جو دف بجاتی اور یہ گیت گاتی۔

اتینا کم اتینا کم فحیونا فحلیکم

ولولا الذهب الاحمر ما حلت بوادیکم

ولولا الحنطة السهرا ما سمنت عذا دیکم

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ایک خادمہ ام ذرہ بیان کرتی ہیں کہ ایک مرتبہ ان کے بھانجے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے انہیں دو بڑی تھیلیوں میں ایک لاکھ درہم بھیجے۔ اس دن وہ روزہ سے تھیں۔ انہوں نے ایک طباق منگایا اور رقم کو اس طباق میں ڈال کر بانٹنا شروع کر دیا۔ شام ہوئی تو انہوں نے کھانے کے لئے کچھ لانے کو کہا۔ میں نے عرض کیا: ام المومنین! افطار کے لئے تو کچھ بھی نہیں ہے۔ آپ کو چاہیے تھا اس رقم سے ایک درہم کا گوشت منگالیں لیکن آپ نے سب کی سب رقم تقسیم کر دی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ام ذرہ! مجھے ملامت نہ کرو۔ اگر تم اسی وقت مجھے یاد دلا دیتیں تو میں لاکھ لیتی۔

عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے میرے سامنے

ہزار کی رقم خیرات کر دی اور دو بٹے کا گوشہ جھاڑ کر اٹھ کھڑی ہوئیں۔

ان روایات سے اندازہ ہوتا ہے کہ سخاوت اور احسان میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا

کس حد تک بڑھی ہوئی تھیں۔

اے گیت کا ترجمہ یہ ہے: ہم تمہارے پاس آئے ہم تمہارے پاس آئے۔ تم ہمیں سلام کرو

ہم تمہیں سلام کرتے ہیں۔ اگر سونا نہ ہوتا تو زیور کا بھی نام و نشان نہ ہوتا۔ اور اگر دانہ گندم

نہ ہوتا تو تمہاری دو شیزاؤں پر کبھی گوشت نہ چڑھتا۔ (مترجم)



عادات و خصائل میں حضرت عائشہؓ صحیح معنوں میں اپنے والد کی بیٹی تھیں۔  
 اخلاق و عادات میں جو اشتراک ان دونوں میں پایا جاتا ہے اس کی مثال ملنی ناممکن  
 ہے لیکن جو خصالت سب سے بڑھ کر ان دونوں میں تھی وہ صدق کی تھی۔ یہ خصالت  
 نہ صرف دونوں باپ بیٹی میں مشترک تھی بلکہ ان کے اور دوسرے لوگوں کے درمیان  
 ماہ الاقتیاز بھی تھی۔ اسی وجہ سے حضرت ابو بکرؓ کا لقب "صدیق" مشہور ہوا اور اس  
 لقب نے اتنی شہرت پائی کہ اس کے سامنے لوگ آپ کے اصلی نام ہی کو بھول گئے۔  
 اللہ تعالیٰ نے حضرت ابو بکر صدیقؓ کے صدق اخلاص کا امتحان بڑے نازک  
 مرحلوں پر لیا لیکن وہ دہکتی آگ میں سے ہمیشہ کندن بن کر ہی نکلے حضرت عائشہؓ  
 کے ساتھ بھی کئی بار ایسا ہی ماجرا گزرا اور انہیں بھی کسوٹی پر بار بار پرکھا گیا۔ لیکن  
 ہر بار انہوں نے اپنے عمل سے اس بات کا ثبوت بہم پہنچایا کہ انہوں نے اپنے  
 والد سے جو میراث پائی تھی اُسے وہ کسی طرح بھی چھوڑنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔  
 اس خوفناک وقت کا تصور کر جب سارا عالم اسلامی اختلافات کی آگ میں جل  
 رہا تھا فریقین اپنی تائید میں جھوٹی حدیثیں گھڑ کر انہیں عامۃ الناس کے سامنے  
 بے محابا پیش کر رہے تھے جھوٹی حدیثیں بنانے والوں کا ایک گروہ چند ٹکوں کی خاطر  
 اس ناپاک مشغلے میں مصروف تھا حالات نے ایسا رخ اختیار کر لیا تھا کہ حضرت  
 عائشہؓ کو بھی مجبوراً سیاست میں دخل دینا پڑا تھا۔ وہ چاہتیں تو بہت آسانی سے  
 لوگوں کو ایسی احادیث سناسکتی تھیں جن سے ان کے مخالفین کی تنقیص مطلوب  
 ہوتی کسی شخص کو بھی ان پر شک کرنے کی گنجائش نہ ہوتی کیونکہ ان کا بیشتر وقت  
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں گزرا تھا۔ لیکن انہوں نے اپنا دامن اس آلودگی سے  
 ہمیشہ محفوظ رکھا اور احادیث بیان کرتے وقت کبھی بھی اپنی زبان سے کوئی لفظ  
 ایسا نہ نکالا جسے انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نہ سنا ہو۔ انہوں نے

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جنگ کی۔ لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ کی منقبت میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبان مبارک سے جو کچھ ارشاد فرمایا تھا کبھی اس کی تردید نہ کی۔ اور ان کے مرتبے اور علم و فضل کا ہمیشہ اعتراف کیا۔ یہ امتحان ایسا تھا جس سے بڑھ کر امتحان ممکن نہ تھا۔ لیکن انہوں نے ہمیشہ راست گوئی کو اپنا شعار بنائے رکھا اور نفسیاتی خواہشات کی دلدل میں پھنس کر کبھی اپنے دامن کو جھوٹ سے آلودہ نہ کیا۔ یہ وجہ تھی کہ جب کوئی شخص ان سے کوئی حدیث روایت کرتا ہے تو کہتا ہے کہ ہم سے یہ بات صدیقہ بنت صدیق نے بیان کی۔

ذکاوت و فطانت اور بدیہہ گوئی میں بھی وہ اپنے والد کے ہم پلہ تھے، ان کے ہم عصر لوگوں میں کوئی فرد بھی ایسا نہ تھا جو فہم و فراست، عقل و سیاست، معاملہ فہمی اور دور بینی میں ان کا مقابلہ کر سکتا ہو۔ نتائج کو اخذ کرنے اور معاملات کی تہہ کو پہنچ جانے کی حیرت انگیز صلاحیت ان میں موجود تھی۔

ابو الزناد ذکر کرتے ہیں کہ عروہ بن زبیر نے کو بڑی کثرت سے اشعار یاد تھے کبھی شخص نے ان کی تعریف کرتے ہوئے کہا کہ شعر حفظ کرنے میں تو آپ کو کمال حاصل ہے۔ انہوں نے کہا: "میرا کمال حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے کمال کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں۔ ان کی تو یہ حالت تھی کہ جب کبھی کوئی واقعہ پیش آتا وہ فوراً اس کے مناسب حال شعر پڑھ دیا کرتی تھیں۔"

عروہ بن زبیر نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بھانجے تھے اور آپ کو ان سے بے حد محبت تھی۔ عروہ بھی اپنی خالہ کی بے حد تعظیم اور توقیر کرتے تھے اور ان کے متعلق کوئی ایسی بات بیان نہیں کرتے تھے جو خلاف واقعہ اور ان کی شان میں بڑھ لگانے والی ہو۔ انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ادبی ذوق اور سخن فہمی کے متعلق جو روایات بیان کی ہیں ان سے صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ آپ کی قوت حافظہ کتنی زبردست تھی۔

ایک مرتبہ رسول اللہ صلعم گھر میں تشریف لائے تو حضرت عائشہؓ یہ شعر پڑھ

رہی تھیں سہ

ارفع ضعیفک لا یحزیک ضعفہ یوما فتدرکہ العواقب قد قما

یحزیک او ثبنی علیک وان من اثنی علیک بما فعلت فقد جزی

ضعیف اور کمزور انسان کی مدد کرو اور اسے سستی سے نکال کر اعلیٰ مقام پر پہنچانے کی کوشش کرو۔ یہ مت خیال کرو کہ یہ ضعیف اور کمزور انسان میری کیا مدد کر سکتا ہے۔ ہو سکتا ہے ایسا دن بھی آجائے جب وہ تمہارے احسان کا بدلہ چکا دے لیکن اگر وہ عملی طور پر احسان کا بدلہ نہ چکا سکے تب بھی کوئی بات نہیں کیونکہ اس کی دلی دعائیں ہی تمہارے لئے بہترین بدلہ ثابت ہوں گی۔“

رسول اللہ صلعم نے یہ شعر سن کر فرمایا :

”جبریل میرے پاس میرے رب کا یہ پیغام لے کر آئے تھے کہ جو شخص اپنے بھائی پر احسان کرے اور وہ اس احسان کے بدلے میں اسے دعائیں دے یا اس کی تعریف کرے تو یہ دعائیں اور تعریفیں ہی اس کے لئے کافی ہیں۔“

حضرت عائشہؓ کو خود عروہ بن زبیرؓ کے شعر یاد تھے اور وہ موقع بہ موقع انہیں پڑھا کرتی تھیں سخت گرمی کا موسم تھا۔ رسول اللہ صلعم بیٹھے اپنی جوتیوں کی مرمت کر رہے تھے اور آپ کی پیشانی سے پسینہ بہ رہا تھا۔ یہ دیکھ کر حضرت عائشہؓ نے کہا۔

کاش عروہ آپ کو اس حالت میں دیکھتے۔ آپ ہو ہوا ان اشعار کے

مصدق ہیں۔ سہ

فلو سمعوا فی مصر او صاف خذہ لما بذلوا فی سوم یوسف من نقتہ

لوا حق زلیخا لوزا بن جبینہ لارثرن یا لقطع القلوب علی الابدی

اگر اہل مصر میرے مدوح کے حسن کا شہرہ سن لیتے تو یوسف کی خریداری کے

لئے کبھی اپنی پونجی خرچ نہ کرتے اور اگر زلیخا کی سہیلیاں اس کی منور پیشانی کا جلوہ دیکھ  
لیتیں تو ہاتھ کاٹنے کی بجائے دل ٹکڑے ٹکڑے کرنے کو ترجیح دیتیں۔

جب ان کے والد کا آخری وقت آیا تو ان کی زبان پر یہ شعر جاری ہوا۔

لعمری ما یعنی الترار عن الفتی

اذ الحشر حیاتی و ما و ضا قے بہا الصدر

(میری جان کی قسم! جب انسان جان کنی کی تکلیف میں مبتلا ہو جاتا ہے اور  
سانس نہ آنے کی وجہ سے اس کا سینہ گھٹنے لگتا ہے۔ اس وقت مال و دولت  
کام نہیں آتا۔)

یہ شعر بھی اسی موقعہ پر انہوں نے پڑھا تھا: ہ

و ابین یستقی الغمام بو عبہ

ثم الیاتی اعصمہ لاراملے

(وہ فیاضی اور سخاوت میں اس حد تک بڑھا ہوا تھا کہ معلوم ہوتا تھا بادل  
کو بھی پانی اسی کے ذریعے بکیر آتا ہے۔ وہ یتیموں کا خبر گیر اور بیواؤں کا محافظ ہے؛  
جس وقت حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنی جان جان آفریں کو سپرد کر چکے تو  
انہوں نے یہ شعر پڑھا: ہ

وکل ذی غیبۃ یوب و غائب الموت لا یوب

(نظروں سے اوجھل ہونے والی ہر چیز کی واپسی کی امید ہو سکتی ہے۔ اگر نہیں  
ہو سکتی تو اس شخص کی جسے موت نظروں سے اوجھل کر دے۔)

ایک مرتبہ انہوں نے عرب کے مشہور شاعر زہیر کے چند اشعار جو اس نے ایک  
شخص ہرم کی مدح میں کہے تھے، سنے۔ وہ اشعار انہیں اس قدر پسند آئے کہ انہوں  
نے زہیر کی بیٹی سے کہا۔

وہ جلتے جو تمہارے باپ نے حرم کو پہنائے ہیں امتداد زمانہ کے باعث بوسیدہ نہیں ہو سکتے۔“

مدحیہ اشعار کی تعریف ان الفاظ سے بہتر اور کس طرح ادا کی جاسکتی ہے۔ آپ کی قوتِ حفظ کا دائرہ شعر و سخن کے سوا دیگر اصنافِ علم کو بھی محیط تھا۔ رسول اللہ صلعم کی جو احادیث آپ سے مروی ہیں ان کی تعداد دو ہزار سے اوپر ہے۔ یہ اشعار مختلف مسائل کے متعلق ہیں۔ ان میں شرعی احکام بھی بیان ہوئے ہیں اور اخلاقی نصائح بھی۔ نفسیاتی مسائل کا ذکر بھی موجود ہے اور دینی اصولوں اور عبادات کی تفصیل بھی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا علم صرف احادیث کو یاد رکھنے تک محدود نہ تھا بلکہ آپ ہر حدیث کی باریکیوں اور علمی و فقہی موثکافیوں سے بھی پوری طرح آگاہ تھیں اور حسب ضرورت انہیں بیان کرتی رہتی تھیں۔

ابوموسے اشعری کہتے ہیں کہ ”ہمیں بھی کسی مسئلے کے سمجھنے میں کوئی دقت پیش آتی تو ہم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس چلے جاتے اور ان سے زیر بحث مسئلے کے متعلق دریافت کرتے۔ وہ نہایت عالمانہ طریقے سے اس مسئلے کے مالہ و ماعلیہ سے ہمیں آگاہ کر دیتیں۔“

عطا بن ابی رباح کہتے ہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہم میں سب سے زیادہ فقیہہ، عالم اور عوام میں سب سے زیادہ اچھی رائے والی تھیں۔

مسروق ہمدانی ذکر کرتے ہیں :

”میں نے جلیل القدر اور اکابر صحابہ کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے میراث کے مسائل دریافت کرتے دیکھا ہے۔“

عروہ بن زبیرؓ کہتے ہیں :

”میں نے حلال و حرام کے مسائل، علوم و فنون، شعر اور طب میں حضرت عائشہؓ سے پڑھ کر کسی باخبر نہیں دیکھا۔“

رسول اللہ ﷺ سے بھی اس قسم کی احادیث منسوب کی جاتی ہیں کہ آدھا دین ”حمیرا“ سے سیکھو۔ گو ان احادیث کی سند رسول خدا ﷺ سے ثابت نہیں تاہم اس میں شبہ نہیں کہ مسلمانوں نے احادیث اور علم دین کا بہت بڑا حصہ حضرت عائشہؓ کے ذریعے معلوم کیا ہے اور یقیناً اس خصوصیت میں وہ تمام صحابہؓ سے بڑھی ہوئی ہیں۔

حضرت ابو بکر صدیقؓ کی طرح حضرت عائشہؓ کو زمانہ جاہلیت کے واقعات اور قبائل و افراد کے حسب نسب بھی از بر یاد تھے۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ عرب کے علاوہ دیگر اقوام و ملل کے حالات و واقعات سے بھی انہیں گہری تفسیر تھی اور بہت تفصیل سے ان کا ذکر کیا کرتی تھیں۔ منجملہ دیگر واقعات کے ایک واقعہ کا ذکر کرنا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔

کفارِ مکہ کے مظالم سے تنگ آ کر جب بعض مسلمانوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کی تو اہل مکہ نے ایک وفد انہیں سزا دلانے اور واپس مکہ لانے کے لئے نجاشی شاہِ حبشہ کی طرف روانہ کیا۔ یہ وفد قسم قسم کے عمدہ تحفے لے کر نجاشی کے دربار میں حاضر ہوا اور تحفے پیش کر کے مسلمانوں کو ان کے حوالے کرنے کی درخواست کی لیکن نجاشی نے تحفے قبول کرنے اور مسلمانوں کو کفارِ قریش کے حوالے کرنے سے صاف انکار کر دیا۔

”جب اللہ تعالیٰ نے میرا ملک مجھے لوٹاتے وقت رشوت نہیں لی تو میں کیسے رشوت لے سکتا ہوں۔ اور جب لوگوں نے میری اطاعت نہیں کی اور میرے

مقابلے میں میرے دشمن کے ہاتھ مضبوط کئے تو اب میں ان کی بات کیسے مان سکتا ہوں۔“

مسلمان حیران تھے کہ نجاشی کی ان باتوں کا کیا مطلب ہے۔ جب حضرت عائشہؓ کو اس کا علم ہوا تو آپ نے ان کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا:

”نجاشی کو اس کے خریفوں کی طرف سے سخت تکالیف پہنچ چکی ہیں۔ ایک درباری امیر نے سازش کر کے اس کا تخت و تاج خود ہتھیالیا اور اسے غلام بنا کر کسی دور دراز علاقے میں بیچ ڈالا۔ لیکن بعد میں حالات نے ایسا پلٹا کھایا کہ نجاشی کو اپنا کھویا ہوا تخت و تاج دوبارہ حاصل ہو گیا۔ نجاشی نے دیگر بادشاہوں کے برعکس اپنے اندر خود سری نہ پیدا ہونے دی بلکہ غریبوں اور مظلوموں کی مدد کرنا اپنا شیوہ بنا لیا۔ مسلمانوں کی ہجرت حبشہ کے بعد قریش مکہ کا وفد اس کے دربار میں پہنچا اور درخواست کی کہ مسلمانوں کو ان کے حوالے کر دیا جائے۔ اس کے درباریوں نے بھی قریش کی اس درخواست کی حمایت کی اور بادشاہ پر زور دیا کہ وہ مسلمانوں کو ان لوگوں کے حوالے کر دے۔ لیکن نجاشی نے نہ صرف ان کی اور اپنے درباریوں کی درخواست پاپے حقارت ٹھکرا دی بلکہ قریش کا وفد جو تحفے لے کر آیا تھا انہیں بھی قبول کرنے سے انکار کر دیا اور کہا۔“

”جب اللہ تعالیٰ نے میری بادشاہت مجھے واپس کرتے وقت رشوت نہیں لی تو میں کس طرح رشوت لے سکتا ہوں اور جب لوگوں نے میری اطاعت نہیں کی، اور میرے مقابلے میں میرے دشمن کے ہاتھ مضبوط کئے تو اب میں ان کی بات کیسے مان سکتا ہوں۔“

چنانچہ وفد خائب و خاسر ہو کر مکہ واپس آ گیا۔

مذکورہ بالا روایت نہ معلوم کس حد تک صحیح ہے، ہمیں تاریخی لحاظ سے اس کی

چھان بین کی ضرورت نہیں۔ یہ واقعہ ذکر کرنے سے ہمارا مقصد صرف یہ دکھانا ہے کہ حضرت عائشہؓ کو اقوام و ملل کے حالات پر کتنا عبور حاصل تھا اور کس طرح وہ جزوی باتوں کو بھی اپنے ذہن میں محفوظ رکھتی تھیں۔

حضرت عائشہؓ کو زبان پر بھی بے پناہ قدرت حاصل تھی جس وقت وہ تقریر کرنے لگتی ہوتی تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ان کے منہ سے فصاحت و بلاغت کا چشمہ اُبل رہا ہے اور تشبیہ و استعارات کا دریا اُٹھ اُٹھ آ رہا ہے۔ ذیل میں ان کے خطبوں کے چند نمونے دیئے جاتے ہیں جن سے معلوم ہو سکے گا کہ حضرت عائشہؓ کو زبان پر کس قدر عبور حاصل تھا۔

جنگِ جمل کے دوران ایک خطبے میں اپنے والد کا ذکر کرتے ہوئے انہوں

نے کہا:

وَابِي ثَانِي اثْنَيْنِ اللَّهُ تَالْتَهُمَا، وَأَوَّلُ مَنْ سَمِيَ صَدِيقًا، مَضَى  
رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ عِنْدَهُ رَاضٍ، وَقَدْ طَوَّقَهُ  
وَهُنَّ الْإِمَامَةُ ثُمَّ اضْطَرَبَ حَبِلُ الَّذِينَ فَآخَذَ بَطْرَفِيهِ وَرَبِقِ  
لَكُمْ أَثْنَاءَ قَوْقُذِ النِّفَاقِ وَغَاضِ تَبَعِ الْوَدَّةِ وَأَطْفَارِ مَا حَشَتِ  
يَهُودُ، وَأَنْتُمْ يَوْمَئِذٍ حِجْظُ الْعَيُونِ تَنْتَظِرُونَ الْعِدْوَةَ وَ  
تَسْتَمْعُونَ الصَّيْعَةَ فَرَأَبِ الشَّائِئِ وَأَرْزَمِ السِّتْقَارِ وَأَمْتَحِ  
مِنَ الْهَرَاةِ وَاحْتَهَرُوقِنِ الرِّوَاءِ حَتَّى أُعْطِنَ الْوَارِدُ وَأُورِدَ  
الصَّادِرُ، وَعَلَى النَّاهِلِ فَغَبِضَهُ اللَّهُ وَأَطْأَ عَلَى هَامِ النِّفَاقِ  
مَذَكِيَانَا وَالْحَرْبِ لِلْمُشْرِكِينَ، فَأَنْتَظِمْتَ طَاعَتَكُمْ  
بِحَبْلِهِ فَوَلِي أَمْرَكُمْ رَجُلًا مَرْعِيًّا إِذَا رَكُنَ عَلَيْهِ، بَعِيدًا بَيْنَ



الابنتين عرکة لئلا ذاه بجانبه صفوحًا عن اذاة الجاهلین  
يقظان الليل فی نصرۃ الاسلام ۵

” میرا باپ وہ جلیل القدر انسان تھا جسے فارثور میں رسول اللہ صلعم کی مصائب کا شرف حاصل ہوا۔ اس وقت میرے باپ کے علاوہ رسول اللہ کے پاس اگر کوئی اور ذات تھی تو اللہ تعالیٰ کی سب سے پہلے جس شخص کو صدیق کے خطاب سے سرفراز کیا گیا وہ بھی میرا باپ ہی تھا۔ رسول اللہ صلعم اپنی وفات کے وقت اس سے بہت خوش تھے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد امت کی امامت اسی کے سپرد کی گئی۔ اس وقت اسلام کے عالی منار میں تزلزل برپا ہو گیا۔ میرا ہی باپ تھا جس نے اسے سنبھالا۔ میرا ہی باپ تھا جس نے نفاق کو بڑھنے سے روکا، ارتداد کا سر حشمہ خشک اور یہودیوں کی سیہ کاری کا قلع قمع کر دیا۔ تم اس وقت آنکھیں بند کئے فتنہ و فساد کے منتظر تھے اور شور و غوغا پر گوش برآواز تھے۔ اس وقت صرف اسی کی شخصیت تھی جس نے دین کی دیوار میں پڑے ہوئے رخنوں کو درست کیا۔ گرتوں کو سنبھال دیا۔ دلوں کی پوشیدہ بیماریوں کو دور کیا۔ سیراب ہونے والوں کو ان کی منزل مقصود تک پہنچایا۔ پیاسوں کو گھاٹ پر لاکر سیراب کیا اور جو ایک بار پانی پی چکے تھے انہیں دوبارہ پانی پلایا۔

جب اس کے ذریعے نفاق کا سر کھپلا جا چکا۔ مشرکین کے مقابلے میں لڑائی کی آگ بھڑکائی جا چکی تو اسے اللہ تعالیٰ نے اپنے پاس بلا لیا۔ دنیا سے رخصت ہوتے وقت وہ ایسے شخص کو اپنا جانشین بنا گیا جو مسلمانوں کا انتہائی خیر خواہ اور حقیقی طور پر ان کا محافظ تھا۔ مسلمانوں کے لئے اس کا دل اس قدر کشادہ تھا جیسے دو پہاڑیوں کا درمیانی فاصلہ۔ وہ موذی دشمنوں کا سر توڑنے والا اور جاہلوں سے درگزر کرنے والا تھا۔ اسلام کی تائید و نصرت کے لئے راتوں کو جاگنا اس کا شیوہ بن چکا تھا۔

ایک اور خطبے میں اپنے والد کے اوصاف بیان کرتے ہوئے کہا:

رحمك الله يا ابت انلثن اقا موالدنيا لقد اتمت الدين حين  
وهي شعبه، وتفاقم صدعه، ورجفة جوانبه، انقبعت  
عما ليد اصدغو، وشمرت فيما عنده ونوا، واستصغرت من  
دنياك ما اعظموا، ورغبت بدنياك عما عقلوا، طالوا  
عنان الامر واقعدت مطعى الحذر، فلم تهضم دينك  
ولم تنس عدك ففاز عند المساهمة قل حك وخف

مما استوزر واظهرك ۵

” ابا جان! اللہ تعالیٰ آپ پر اپنی رحمتیں اور افضال فرمائے دوسرے لوگوں نے  
دنیا کمانے میں اپنی جدوجہد صرف کر دی لیکن آپ ہمہ تن دینی کاموں میں مصروف  
ہو گئے۔ آپ نے دین کو اس وقت مضبوط بنیادوں پر قائم کیا جب اس میں کمزوری  
رہ پا چکی تھی، اس میں دراڑ پڑ چکی تھی اور اس کی دیواریں پھٹ چکی تھیں، بے راہرو  
لوگوں نے جن کاموں کی طرف اپنی توجہ مبذول کی آپ نے ان سے کنارہ کشی اختیار  
کی اور جن امور میں انہوں نے کمزوری دکھائی انہیں سمر انجام دینے کے لئے آپ نے  
کمر ہمت کس لی۔ انہوں نے دنیا کو ترجیح دی مگر آپ نے اسے انتہائی حقیر شے سمجھتے  
ہوئے ترک کر دیا۔ وہ دین سے غافل ہو گئے لیکن آپ نے اسے مضبوطی سے پکڑ  
لیا۔ وہ شوخی اور شرارت میں بڑھتے چلے گئے مگر آپ نے استغفار کو اپنا ورد اور  
خوفِ خدا کو حرزِ جان بنا لیا۔ وہ آخرت سے غافل ہو گئے لیکن آپ کے دل میں  
ہمیشہ خدا کے دربار میں حاضر ہونے کا خیال جاگزیں رہا اور آپ ایک لمحہ کے لئے  
بھی آخرت کو فراموش نہ کر سکے۔ ان کے مقابلے میں آپ ہی کا بول بالا رہا۔ اور جو  
بوجھ انہوں نے آپ کی کمر پڑال دیا تھا، اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے اسے

ہلکا کر کے آپ کو اطمینان بخٹا،

والدہ کی وفات کے بعد وہ ان کے مزار پر آئیں اور وہاں کھڑے ہو کر اس طرح

ان کی تعریف کی۔

نظر الله وجهك وشكر لك صالح سعيدك، فلقد كنت  
الدنيا منذ لا باء عراضك عنها، وللآخرة معزاً بآقتبالك  
عليها، ولئن كان أجل الحوادث بعد رسول الله صلى الله  
عليه وسلم، زروك وأعظم المصائب بعده فقدك ان  
كتاب الله ليعد والعزاءك حسن العوض منك، فانا  
اشجز من الله موعوده فيك بالصبر عليك واستعيضه  
منك، بالدعاء لك. فانا الله وانا اليه راجعون، و  
عليك السلام ورحمتك الله توويع غير قالية، لعيانك  
ولا زارية على القضاة فيك۔

» اللہ تعالیٰ آخرت میں آپ کے چہرے کو تروتازہ رکھے اور دین اسلام کے  
استحکام کے لئے جو عظیم کوششیں آپ نے کیں ان کا بہترین بدلہ آپ کو دے۔  
دنیا سے اعراض کر کے آپ نے اسے ذلیل کر دیا اور آخرت کو اپنے قدمِ مہمیت  
لزوم سے مشرف کر کے اس کے لئے عزت کا سامان پیدا کر دیا۔ رسول اللہ صلعم کے  
بعد سب سے دردناک حادثہ آپ کی وفات کا ہے اور آپ کا اس دنیا سے اٹھ  
جانا حضور کے بعد سب سے بڑی مصیبت ہے۔ کتاب اللہ میں مصیبت پر صبر  
کرنے والوں کے لئے بڑے بڑے انعامات اور افضال کا وعدہ کیا ہے اس  
لئے میں اس مصیبتِ عظیم پر صبر کر کے اللہ کے انعامات اور افضال کی امیدوار  
ہوں۔ جزع فزع کرنے کی بجائے میں خدا سے دعا کرتی ہوں کہ وہ آپ پر

سلامتی اور رحمت نازل فرمائی اور آپ کو اپنی بخشش کی چادر میں ڈھانپ لے۔  
 وانا لله وانا اليه راجعون۔ وعلیک السلام ورحمة اللہ!۔ خدا کے سپرد  
 اے پاک نفس! جس کی زندگی ہمارے لئے مسرت کا موجب تھی اور جس کی جدائی  
 ہمارے لئے عظیم حادثہ کا پیغام لائی ہے۔“

جہاں تک فی البدیہہ خطبات کا تعلق ہے ایسے موقعوں پر حضرت عائشہؓ  
 چھوٹے چھوٹے لیکن دل میں کھب جانے والے فصیح و بلیغ اور مسجع و مقفی دکش  
 فقرے استعمال کرتی ہیں لیکن جب ازدواجی زندگی کا حال بیان کرتی ہیں تو آسان  
 اور سادہ اسلوب اختیار کرتی ہیں لیکن عبارت میں دل کشی اور فصاحت و  
 بلاغت اس وقت بھی قائم رہتی ہے۔ چنانچہ اپنے رخصتانہ کا ذکر ان الفاظ  
 میں کرتی ہیں:

تزوجنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وانا ابنة ست  
 سنین فقد منا المدينة فنزلتانی بنی المہارت بن  
 الخزرج فوعکت فتمزق شعری خو فی جسیعة فانتنی  
 امی ام رومان وانی لفی ارجوحة ومعی صواحب لی وصرخت  
 لی فأتیتها لا اوسری ما ترید لی! فلخذتني بیدی حتی  
 أوقضتني علی باب الدار وانی لانهج حتی سکن بعض  
 نفسی، ثم اخذت شیئاً من ماء فمسحت به وجهی  
 وראسی، ثم ادخلتني الدار فاذا نسوت من الانصار  
 فی البیت فقلن علی الخیر والبرکة وعلی خیر طائر فاسلمتني  
 الیہن یصلحن من شانی فلم یرعنی الارسول اللہ صلی  
 اللہ علیہ وسلم ضمی فاسلمتني الیہ وانا یومئذ

## بنت تسع سنین :-

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے میرا نکاح چھ سال کی عمر میں مکہ میں ہوا تھا، جب ہم ہجرت کر کے مدینہ پہنچے تو بنو الحارث بن خزرج کے محلہ میں اترے۔ وہاں مجھے بخارانے لگا۔ جس سے میرے سر کے تمام بال جھڑ گئے۔ سات آٹھ ماہ کے بعد رخصت کی تقریب عمل میں آئی۔ مجھے پہلے سے کچھ معلوم نہ تھا۔ ایک دن میں اپنی سہیلیوں کے ساتھ جھولا جھول رہی تھی کہ میری والدہ ام رومان نے مجھے آواز دی میں بائپتی ہوئی ان کے پاس پہنچی۔ انہوں نے مجھے ہاتھ سے پکڑ کر گھر کے دروازے میں کھڑا کر دیا۔ جب میرا سانس ٹھیک ہو گیا تو انہوں نے پانی سے میرا ہاتھ منہ دھویا۔ اس کے بعد مجھے لے کر گھر میں گئیں۔ وہاں انصار کی کچھ عورتیں موجود تھیں۔ انہوں نے دعائیہ فقروں سے میرا خیر مقدم کیا۔ میری والدہ نے مجھے انکے سپرد کر دیا۔ انہوں نے مجھے دلہن بنایا۔ دن چڑھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ میرے والدین نے مجھے ان کے ساتھ رخصت کر دیا۔ اس وقت میری عمر نو برس کی تھی۔“

حضرت عائشہؓ کو جس خداداد قابلیت، فہم و فراست، ذکاوت اور فطانت سے حصہ ملا تھا اس کا مختصر سا حال اوپر بیان ہو چکا ہے۔ وہ ہمہ فن مولا تھیں۔ علم طب میں بھی انہیں دسترس حاصل تھی۔ علم الانساب سے بھی انہیں حصہ وافر ملا تھا، فن شعر کی ماہر ہونے کے لحاظ سے عرب کے بہت کم لوگ ان کے ہم پلہ تھے۔ علوم دینیہ میں عبارت کے لحاظ سے تو کوئی شخص بھی ان کے مقابلے میں پیش نہیں کیا جاسکتا۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ انہیں علم فلکیات سے بھی دلچسپی تھی اور ان کی حیرت انگیز قابلیت کو دیکھتے ہوئے اس میں شک کرنے کی کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی۔

یوں تو حضرت عائشہؓ کو ابتدائے عمر ہی سے فہم و فراست کا ملکہ ودیعت  
 ہو چکا تھا۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک صحبت نے اس فطری ملکہ کو مزید جلا بخشی۔  
 اور اسی کا نتیجہ تھا کہ مروجہ اسلامی اور معاشرتی علوم میں حضرت عائشہؓ نے جو  
 مقام حاصل کیا، ان کے ہم عصر اس کی گرد کو بھی نہ پہنچ سکے۔



## ازدواجی زندگی

حضرت خدیجہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے پہلی اور محبوب ترین بیوی تھیں ان کے ساتھ حضورؐ نے ۲۵ سال گزارے اور ان کی زندگی میں دوسری شادی نہیں کی۔ خدیجہؓ ۴۴ سال کی عمر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عقد میں آئی تھیں اور ۶۵ سال کی عمر میں عالم جاودانی کو سدھاریں۔

حضرت خدیجہؓ کا انتقال سنہ نبوی میں ہوا۔ ان کی وفات سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت صدمہ ہوا۔ خدیجہؓ سے محبت کا اندازہ اس امر سے ہو سکتا ہے کہ ان کی وفات کے بعد جس کثرت اور تواتر سے حضورؐ نے ان کا ذکر کیا ہے اور کسی کا نہیں کیا۔ خدیجہؓ کی وفات والا سال آج تک تاریخ اسلام میں بجا طور پر عام الحزن کہلاتا ہے۔ کیونکہ جو تعلق سرور کائنات کو ان کی وفات سے ہوا تھا، وہ آخر وقت تک دور نہ ہو سکا۔ جب کبھی ان کی یاد آجاتی تو حضورؐ کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو جاتے اور بڑی رقت اور درد سے آپ ان کا ذکر فرماتے۔

حضرت خدیجہؓ کی وفات کے چند سال بعد حضرت عائشہؓ نے آپ کے عقد نکاح میں آپس میں عجیب اتفاق ہے کہ ان دونوں میں بعض حیرت انگیز مشابہتیں

پائی جاتی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضورؐ کو بھی ایسی ہی بیویوں کی ضرورت تھی جو دعوت و تبلیغ کے مختلف ادوار میں جانفشانی سے آپ کی خدمت کر سکیں۔ اور ہر طرح آپ کی معاون اور مددگار ثابت ہوں۔

سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے یتیمی کی حالت میں پرورش پائی۔ والد کی وفات تو آپ کی پیدائش سے پہلے ہی ہو چکی تھی لیکن والدہ کا سایہ بھی زیادہ دیر تک سر پر نہ رہا اور وہ بچپن ہی میں آپ کو داغِ مفارقت دے گئیں۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص منشا اور تصرف کے ماتحت خدیجہؓ جیسی پاک باز اور غمگسار خاتون کو آپ کے لئے چنا۔ شادی کے بعد حضرت خدیجہؓ نے جس دلسوزی سے آپ کی دلہی کی اس نے ان تمام مصائب اور صعوبات کا مداوا کر دیا، جو یتیمی کی حالت میں آپ کو اٹھانے پڑے تھے نبوت کے دعوت کے ساتھ ہی مصائب کا پہاڑ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم پر ٹوٹ پڑا کسی قسم کی ایذا نہ تھی جو بد نہاد مشرکین نے حضورؐ کو نہ پہنچائی ہو اور مخالفت کا کوئی دقیقہ نہ تھا جو قریش نے فرو گذاشت کیا ہو۔ اس حالت میں جبکہ مکہ کا چہ چہ حضورؐ کا دشمن ہو رہا تھا اور آپ پر بدترین قسم کے مظالم ڈھائے جا رہے تھے، اگر کسی نے حضورؐ کی کامل رفاقت کا ثبوت دیا تو وہ حضرت خدیجہؓ تھیں۔ انہوں نے اپنا تن من دھن سب کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے قربان کر دیا اور اس دلسوزی اور جانفشانی سے آپ کی خدمت کی کہ اس کے سامنے حضورؐ کو کفار کے مظالم کا احساس تک جاتا رہا اور آپ اطمینان کامل تبلیغ و اشاعتِ اسلام کے کام میں مصروف رہے۔

حضرت خدیجہؓ کی وفات کے کچھ عرصہ بعد ہجرت کا واقعہ پیش آیا اور حضورؐ مکہ سے مدینہ تشریف لے گئے۔ مکی دور تبلیغ و اشاعت کا دور تھا۔ اس کام میں



مدد دینے کے لئے حضرت خدیجہؓ سے بہتر رفیق حضور کو اور کوئی نہ مل سکتا تھا۔ مدنی دور  
تعلیم و تلقین کا عہد تھا اور اس کام میں آپ کا ہاتھ بٹانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے عائشہؓ جیسی  
ذہین و فطین خاتون کو چنا وہ جس طریقے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عقد میں آئیں اس سے  
بھی اس امر کا چلتا ہے کہ اس نکاح میں اللہ تعالیٰ کی خاص مشیت کام کر رہی تھی چنانچہ ذیل  
کی روایت اس کی تصدیق کرتی ہے۔

شادی کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عائشہؓ سے فرمایا۔ مجھے دوبار تمہاری صورت  
خواب میں دکھائی گئی اور وہ اس طرح کہ ایک لڑشتہ ریشم میں لپیٹی ہوئی ایک تصویر میرے  
پاس لایا اور کہا۔ یہ آپ کی بیوی ہے۔

میں نے کپڑا اٹھایا تو تمہاری تصویر دکھائی دی، یہ دیکھ کر میں نے اپنے دل میں کہا  
کہ اگر یہ شادی اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقدر ہے تو وہ اس کے سامان آپ پیدا کرے گا  
اس وقت تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت عائشہؓ سے نکاح کرنے کا خیال تک پیدا  
نہ ہوا تھا۔ ایسی حالت میں دوبار حضرت عائشہؓ کا خواب میں دکھایا جانا اور اللہ تعالیٰ کی  
طرف سے یہ تفہیم ہونا کہ یہی آپ کی ہونیوالی بیوی ہیں، اس امر پر دلالت کرتا ہے  
کہ یہ شادی اللہ تعالیٰ کی خاص مشیت اور تصرف کے ماتحت ہوئی۔ وہ ایک ایسی ہستی  
کو اپنے رسول کی رفاقت کے لئے چنا چاہتا تھا جس کے ذریعے اُسندہ کے لئے امت کی  
تعلیم و تربیت کا سامان ہو سکے اور حضرت عائشہؓ نے یہ کام جس خوبی اور عمدگی سے انجام  
دیا اسے دنیا جانتی ہے۔

نکاح کے لئے سلسلہ جنابی کس طرح شروع ہوا؟ اس کے متعلق کب احادیث  
میں مندرجہ ذیل روایت آئی ہے۔

حضرت خدیجہؓ کی وفات کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بہت مغموم اور پشیمردہ رہتے  
تھے مشہور جلیل القدر صحابی حضرت عثمانؓ بن مظعون کی بیوی خولہ بنت حکیم کو حضور

کی یہ حالت دیکھ کر بہت رنج ہوتا تھا۔ آخر ایک دن انہوں نے حضورؐ کی خدمت میں عرض کیا۔

”یا رسول اللہ! آپ شادی کیوں نہیں کر لیتے؟“

حضورؐ نے پوچھا۔

”کس سے کروں؟“

انہوں نے جواب دیا

”اگر چاہیں تو کنواری سے ہو سکتی ہے۔ اور اگر بیوہ کا خیال ہو تو اس سے بھی ممکن ہے۔“

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مزید استفسار پر انہوں نے کہا۔ کنواری لڑکی تو آپ کے سب سے پیارے دوست کی لڑکی عائشہؓ ہے اور بیوہ سودہ بنت زینب ہیں۔ حضورؐ نے انہیں دونوں جگہ سلسلہ جنبانی کرنے کا ارشاد فرمایا۔

تعمیل ارشاد میں وہ حضرت عائشہؓ کی والدہ ام رومان کے پاس پہنچیں، اور انہیں عائشہؓ کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام دیا۔ ام رومان نے کہا۔ میں ابو بکر سے پوچھ کر جواب دوں گی۔ چنانچہ جب حضرت ابو بکرؓ گھر میں تشریف لائے۔ تو انہوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پیغام کا ذکر کیا۔ حضرت ابو بکرؓ کا خیال تھا کہ چونکہ ان کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان مواخاۃ کا سلسلہ قائم ہے اس لئے آپس میں بیاہ شادی بیاہ کا تعلق قائم نہیں ہو سکتا۔ حضور کا پیغام سن کر اسی خیال کے زیر انہوں نے کہا۔ عائشہؓ تو ان کی بھتیجی ہیں۔ بھتیجی سے نکاح کس طرح ہو سکتا ہے؟ جب خولہ نے یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جا کر بتائی تو حضورؐ نے فرمایا۔

ابو بکر سے جا کر کہہ دو کہ تم میرے دینی بھائی ہو اور یہ تعلق شادی بیاہ کے

معاملات میں خارج نہیں۔

تاہم ابھی تک کسی شخص کو پورا یقین نہ تھا کہ عائشہ ضرور رسول اللہ صلعم کے عقد میں آجائیں گی، وجہ یہ تھی کہ وہ پہلے ہی سے جبیر بن مطعم بن عدی سے جو ہنوز حالت کفر پر قائم تھا، منسوب ہو چکی تھیں، اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے خلاف ورزی برداشت نہ کر سکتے تھے، چنانچہ پہلے انہوں نے جبیر کی طرف سے معاملہ صاف کر لینا چاہا، وہ اس کے والدین سے ملے اور نسبت کے متعلق دریافت کیا۔ مطعم نے اپنی بیوی سے کہا۔

”تمہارا کیا خیال ہے؟“

وہ حضرت ابو بکرؓ کی طرف متوجہ ہوئی اور کہنے لگی۔

اگر ہم نے اپنے لڑکے کا نکاح تمہاری لڑکی سے کر دیا تو تم ہمارے لڑکے کو صحابی تو نہیں بناؤ گے، اور اپنے دین میں تو اسے شامل نہیں کرو گے۔ حضرت ابو بکرؓ نے اسے تو کوئی جواب نہ دیا بلکہ مطعم سے مخاطب ہو کر کہنے لگے۔

”تم کیا کہتے ہو؟“

مطعم نے اس کے سوا اور کچھ نہ کہا کہ میری بیوی نے جو کچھ کہا ہے وہ تم نے سن ہی لیا ہے اب تمہارے جواب پر ہمارے آئندہ رویہ کا انحصار ہے۔

اب حضرت ابو بکرؓ کو جبیر سے نسبت توڑنے میں کوئی امر مانع نہ تھا۔ انہوں نے رسول اللہ صلعم کا پیغام قبول کر لیا اور ہجرت سے تین سال قبل شوال ۱۰ھ نبوی میں حضرت عائشہ کے نکاح چار سو درہم حق مہر پر حضور کے ساتھ ہو گیا۔

نکاح اور رخصت کی تفصیلات کے بارے میں تو مورخین میں اختلاف نہیں البتہ اس امر میں ضرور اختلاف ہے کہ نکاح اور رخصت کس عمر میں ہوا۔ بعض مورخین کہتے ہیں کہ رخصت کے وقت حضرت عائشہ کی عمر نو برس کی تھی۔ لیکن

بعض کا خیال ہے کہ نو سے کئی برس زیادہ تھی۔

جس قوم میں لکھنے پڑھنے اور واقعات کے ریکارڈ رکھنے کا رواج نہ ہو، اس میں اس قسم کے اختلافات بالعموم رونما ہو کے رہتے ہیں یہی وجہ ہے کہ عرب کے بہت کم اشخاص ایسے ہیں جن کے سنہ ولادت، سنہ وفات، سنہ نکاح کے متعلق دو دو تین تین روایات مروی ہیں، اور موجودہ زمانے کے مورخ کے لئے کوئی قطعی رائے قائم رکھنا بچیدار دشوار ہے۔

ہمارے نزدیک قرین قیاس امر یہ ہے کہ رخصت کے وقت حضرت عائشہؓ کی عمر بارہ سے کسی طرح کم اور پندرہ سال سے زیادہ نہ تھی چنانچہ ابن سعد کی بعض روایات میں آتا ہے کہ حضرت عائشہؓ کا نکاح نو یا سات برس کی عمر میں ہوا رخصت بیشتر روایات کے بموجب نکاح کے پانچ سال بعد ہوئی تھی۔ اس لحاظ سے رخصت کے وقت حضرت عائشہؓ کی عمر ۱۲ سے ۱۵ سال تک ہی بنتی ہے۔

چھ سال کی عمر میں نکاح ہونا قرین قیاس نہیں ہے، کیونکہ خولہ بنت حکیم نے رسول اللہ صلعم سے حضرت عائشہؓ کا ذکر بھی کیا ہوگا جب وہ عام اندازے کے مطابق نکاح کے قابل ہو گئی ہوں گی۔ یہ بات عقل میں آنے والی نہیں ہے کہ وہ حضور کو ایک ایسی بچی سے نکاح کرنے کا مشورہ دیتیں جسے چار پانچ سال بعد جا کر نکاح کے قابل ہونا تھا۔ انہوں نے رسول اللہ صلعم کے عزین و الم کو دیکھ کر شادی کرنے کی رائے دی تھی، اور ان کا منشا ہرگز یہ نہ تھا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام چار پانچ سال بعد عائشہؓ سے شادی کریں۔

اس معاملے کا ایک اور پہلو بھی ہے اور اس سے بھی ہمارے تائید ہوتی ہے۔ رسول اللہ صلعم نے حضرت عائشہؓ کے لئے سنہ نبوی میں پیغام دیا تھا اس سے پہلے وہ جبیر بن مطعم سے منسوب تھیں جبیر سے نسبت کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں

ایک تو یہ کہ یہ نسبت نکاح کی عمر کو پہنچنے کے بعد یا نو یا دس برس کی عمر میں ہوئی ہو۔  
 لیکن یہ ناممکن ہے کیونکہ اس وقت دونوں خاندانوں میں مذہبی اختلاف موجود تھا  
 اور ایک مسلمان لڑکی کافر سے کسی طرح نہ بیاہی جاسکتی تھی۔ دوسری صورت یہ ہے  
 کہ عام رواج کے مطابق یہ نسبت بچپن میں ہوئی ہو، اگر نکاح کے وقت حضرت  
 عائشہ کی عمر ۶ یا ۷ برس کی مانی جائے تب بھی یہ ماننا پڑے گا کہ جبیر کے ساتھ نسبت  
 بھی بعثت نبوی کے بعد ہوئی تھی حالانکہ ایسا ہونا ناممکن ہے کیوں کہ حضرت ابو بکر  
 صدیقؓ اولین مسلمانوں میں تھے۔ اور جبیر بن مطعم کا گھرانہ اسلام کی نعمت سے  
 محروم تھا۔ اب صرف ایک ہی صورت باقی رہ جاتی ہے۔ وہ یہ کہ جبیر اور حضرت  
 عائشہؓ کی نسبت اسلام سے قبل بچپن میں ہوئی ہو۔ اس طرح رسول اللہ صلیم  
 سے نکاح کے وقت ان کی عمر بہر حال دس سال سے زائد بنتی ہے۔

باقی رہا یہ امر کہ خود حضرت عائشہؓ اپنی عمر کم بتاتی ہیں تو جیسا کہ ہم لکھ چکے ہیں۔ اس  
 زمانہ میں نہ تو لکھنے پڑھنے کا رواج تھا اور نہ پیدائش وغیرہ کا کوئی ریکارڈ رکھا جاتا تھا  
 حضرت عائشہؓ کو لوگوں کی زبانی جو کچھ معلوم ہوا وہ انہوں نے بیان کر دیا لیکن  
 صحیح تعین وہ خود بھی نہیں کر سکتی تھیں، چونکہ عورت کی فطرت میں یہ بات داخل ہے  
 کہ اسے اپنی عمر کم معلوم ہوتی ہے۔ اور حضرت عائشہؓ کو بھی نسوانی خصوصیات  
 سے حصہ وافر ملا ہوا تھا اس لیے انہوں نے بھی نکاح کے وقت اپنی عمر کم ہی خیال  
 کی ہوگی حضرت عائشہؓ کو تو اپنے بچپن کے زمانے سے اتنی دلچسپی تھی کہ وہ مزے  
 لے لے کر اس زمانے کے واقعات کا تذکرہ کیا کرتی تھیں۔ اکثر احادیث میں ہمیں  
 ان کی زبانی اس قسم کے فقرات ملتے ہیں۔

”میں اس زمانے میں نو عمر بھی تھی۔“

”میں اس وقت اتنی چھوٹی تھی کہ مجھے قرآن کا بہت تھوڑا حصہ یاد تھا۔“

بہر حال ہماری پختہ رائے یہی ہے کہ رخصت کے وقت حضرت عائشہؓ کی عمر ۱۳ سال سے کم اور پندرہ سال سے زائد نہ تھی۔ مستشرقین کم سن بچی سے شادی کرنے کا الزام لگا کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنے گندے اور ناپاک اعتراضات کا ہدف بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔ ہمارے پیش کردہ نظریے کو تسلیم کر لینے کے بعد ان اعتراضات کی بنیاد ہی قائم نہیں رہتی۔

حضرت عائشہؓ کی ازدواجی زندگی کا آغاز بہت خوش اسلوبی سے ہوا اور وہ ماں باپ سے رخصت ہو کر ایک شفیق شوہر کے زیر عطف آگئیں، ان کی ازدواجی زندگی کا کوئی قابل ذکر واقعہ نہیں جو خود ان کی زبانی کتب سیر و احادیث میں موجود نہ ہو لیکن ان واقعات کو ٹر فٹے ہوئے ہمیں ایک فقرہ بھی ایسا نہیں ملے گا جس سے مترشح ہو کہ بالکل نئی زندگی میں قدم رکھتے وقت حضرت عائشہؓ نے کسی گھبراہٹ اور بے چینی کا اظہار کیا تھا رسول اللہ ﷺ نے ابتدا ہی سے جس محبت اور الفت کا سلوک ان سے کیا اور جس لطف و عنایت سے پیش آئے، اس کے سامنے ماں باپ کی محبت اور لطف و عنایت بھی پیچ نظر آنے لگی۔

بچپن کا زمانہ تھا شوہر کے گھر آ کر بھی ان کا محبوب مشغلہ یعنی گریہوں کا کھیل بدستور جاری رہا۔ بسا اوقات ایسا ہوتا کہ وہ اپنی سہیلیوں کے ساتھ گریاں کھیل رہی ہوتیں کہ رسول اللہ ﷺ تشریف لے آتے۔ سہیلیاں حضورؐ کو دیکھ کر ادھر ادھر چھپ جاتیں لیکن حضورؐ ایک ایک کو پکڑ کر عائشہؓ کے پاس لے آتے اور فرماتے:

”کھیلو ڈرتی کیوں ہو؟“

بھولپن کی یہ حالت تھی کہ واقعہ انک کے وقت رسول اللہ ﷺ کے دریا  
فرمانے پر ان کی لونڈی بریرہ نے بیان کیا کہ مجھے عائشہؓ میں کوئی عیب نظر نہیں

آتا۔ ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ وہ کم سن ہیں۔ آنا گوندتی ہیں اور بے خبر سو جاتی ہیں بکری آتی ہے اور اٹا کھا جاتی ہے۔

رسول اللہ صلعم بھی ان کے دل بہلانے کا سامان کرتے رہتے تھے جو صحابہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو صرف اللہ کے رسول کی حیثیت سے دیکھتے تھے اور حضور کی دیگر حیثیتیں ان سے پوشیدہ تھیں انہیں یہ دیکھ کر بہت تعجب ہوتا تھا ایک دفعہ عید کے دن حضرت ابو بکرؓ عائشہ کے حجرے میں آئے اس وقت ان کے پاس دو لڑکیاں بیٹھی بعض اشعار گارہی تھیں اور رسول اللہ صلعم قریب ہی کپڑا اوڑھے لیٹے تھے حضرت ابو بکرؓ کو دیکھ کر بہت غصہ آیا اور چیخ کر فرمانے لگے ”رسول اللہ صلعم کے پاس یہ شیطانی کام؟“

رسول اللہ صلعم نے اپنے منہ سے کپڑا اٹھایا اور فرمانے لگے۔

ابو بکر جانے دو عید کا دن ہے لڑکیاں اپنا دل بہلا رہی ہیں۔

ایک مرتبہ عید کے روز سوڈان کے بعض حبشیوں نے مسجد نبوی کے صحن میں نیزہ بازی کے کرتب دکھانے شروع کیے رسول اللہ صلعم حجرے میں تشریف فرما تھے آپ نے عائشہؓ سے پوچھا۔

”حبشیوں کا کھیل دیکھنا چاہتی ہو؟“

انہوں نے رضامندی ظاہر کر دی وہ خود اس واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے

کہتی ہیں۔

یہ سن کر رسول اللہ صلعم حجرے کے دروازے میں کھڑے ہو گئے اور میں حضور کی اوٹ میں کھڑے ہو کر تماشا دیکھنے لگی، جب تھک گئی تو حضور نے کہا ”اچھا اب جاؤ“

ایک بار حضرت ابو بکر حجرے کے قریب سے گزر رہے تھے کہ انہوں نے

اپنی بیٹی کو رسول اللہ صلعم سے آواز بلند گفتگو کرتے سنا وہ غصہ کی حالت میں حجرے میں داخل ہوئے اور اس گستاخی کی سزا دینے کے لیے بیٹی کو تھپڑ مارنا چاہا لیکن رسول اللہ صلعم نے درمیان میں کھڑے ہو کر انہیں ایسا کرنے سے روک دیا۔ جب وہ باہر چلے گئے تو آپ نے عائشہ سے فرمایا۔

کیا یاد کرو گی، آج میں نے تمہیں پٹنے سے بچالیا۔

اسی طرح ایک اور موقع پر حضرت ابو بکرؓ نے عائشہ کو رسول اللہ صلعم سے تیز اور تند گفتگو کرتے سنا، غصے میں بھرے ہوئے حجرے میں داخل ہوئے لیکن پھر واپس چلے گئے تھوڑی دیر بعد جب دوبارہ حجرے میں آئے تو دیکھا میاں بیوی میں صلح ہو گئی ہے۔ وہ کہنے لگے۔ کیا تم دونوں مجھے صلح میں بھی اسی طرح شریک کر لو گے جس طرح لڑائی میں شریک کیا تھا رسول اللہ صلعم نے فرمایا۔ ”کیوں نہیں“

حضرت عائشہؓ بھی اپنے مرتبے سے خوب واقف تھیں اور انہیں اس محبت کا خوب اندازہ تھا۔ جو

رسول اللہ صلعم کے دل میں ان کے لئے تھی، سرور کائناتؐ سیاسی اور دینی وجوہ کی بنا پر کئی شادیاں کی تھیں اور خدائی احکام کی بنا پر آپ اپنی تمام بیویوں کے درمیان کامل مساوات قائم رکھتے تھے۔ لیکن محبت اور دلی میلان ایک طبعی امر ہے جسے مساوات کے تحت لانا ممکن نہیں یہی وجہ ہے کہ حضور فرمایا کرتے تھے

اے اللہ! جو چیز تو نے میرے اختیار میں دی ہے اس میں مساوات کا میں پورا خیال رکھتا ہوں لیکن جو چیز میرے اختیار سے باہر ہے اور اسے تو نے اپنے ہاتھ میں رکھا ہوا ہے اس کے بارے میں تو مجھے ملامت نہ کیجیو۔

رسول اللہ صلعم کو حضرت عائشہؓ سے جو الفتا اور محبت تھی حضرت عائشہ کو نہ صرف اس کا حقیقی اندازہ تھا بلکہ وہ اکثر اس کے لیے حضور کے سامنے شکر اور اطمینان کے جذبات کا اظہار بھی کرتی رہتی تھیں۔ ایک مرتبہ حضور نے ان سے گیارہ



سہیلیوں کا قصہ بیان کیا جنہوں نے ایک جگہ جمع ہو کر اپنے خاوندوں کا تذکرہ کرنا شروع کیا اور لگی لپٹی نہ رکھی۔ اگر کسی کے خاوند میں کچھ خوبیاں پائی جاتی تھیں تو اس نے اُن کا اظہار کر دیا اور اگر کسی کے خاوند میں کچھ برائیاں راہ پاگئی تھیں تو اس نے بلا جھجک انہیں بیان کر دیا۔ گیا رہو میں عورت کا نام ام زرع تھا۔ جسے اپنے خاوند سے بے حد محبت تھی اور دنیا کی تمام خوبیاں اسے اپنے خاوند میں نظر آتی تھیں۔ چنانچہ اس نے ان کا تذکرہ بہت الفت آمیز لہجے میں اپنی سہیلیوں کے سامنے کیا۔ یہ قصہ سن کر حضرت عائشہؓ نے حضورؐ سے کہا۔

اللہ کی قسم! آپ کا سلوک مجھ سے ایسا ہی ہے جیسا ام زرع کا ابو زرع سے تھا، بلکہ اس سے بھی بہت بہتر۔

سرور کائنات صلعم کی وفات کے بعد ایک مرتبہ دیگر ازواج مطہرات پر اپنے تفوق اور برتری کا حال بیان کرتے ہوئے انہوں نے کہا۔

”مجھے دس باتوں کے باعث دیگر ازواج پر فضیلت حاصل ہے۔

۱۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے سوا اور کسی کنواری عورت سے شادی نہیں کی۔

۲۔ میرے سوا حضورؐ کی کوئی بیوی نہ تھی جس کے ماں باپ دونوں کو ہجرت کی سعادت نصیب ہوئی ہو۔

۳۔ اللہ تعالیٰ نے میری بریت آسمان سے نازل فرمائی۔

۴۔ جبرئیل میری تصویر ریشم کے پردے میں لے کر حضورؐ کے پاس آئے۔

۵۔ میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہی برتن سے غسل کر لیا کرتے تھے۔

۶۔ نماز تہجد کے وقت میں حضورؐ کے سامنے لیٹی ہوتی تھی اور کسی بیوی کو

یہ خصوصیت حاصل نہ تھی۔

- ۷۔ میرے سوا اور کسی بیوی کے لحاف میں حضور پر وحی نازل نہ ہوتی تھی۔
- ۸۔ وفات کے وقت حضور میرے سینے سے ٹیک لگائے ہوئے تھے۔
- ۹۔ حضور نے عین اس روز وفات پائی جب میری باری کا دن تھا۔
- ۱۰۔ حضور میرے حجرے میں دفن کئے گئے۔

حضور کی محبت اور الفت کو دیکھ کر صحابہؓ میں بھی اپنے تحفے اسی روز رسول اللہ صلعم کی خدمت میں بھیجتے تھے جب حضور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف فرما ہوتے تھے۔

اس سے بعض اوقات ازواج مطہرات کو رنجش بھی پیدا ہو جاتی تھی چنانچہ ایک بار انہوں نے حضرت ام سلمہؓ کو اپنا نمائندہ بنا کر رسول اللہ صلعم کے پاس اس امر کی شکایت کرنے کے لئے بھیجا۔ انہوں نے ازواج کی شکایات کیں لیکن حضور خاموش رہے۔ دوبارہ پھر بھیجا تب بھی حضور نے کوئی جواب نہ دیا جب تیسری بار وہ اس سلسلے میں حضور کے پاس آئیں تو آپ نے فرمایا۔

”مجھے عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں ایذا نہ دو کیونکہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے لحاف کے سوا اور کسی بیوی کے لحاف میں مجھ پر وحی نازل نہیں ہوتی۔“

حضرت فاطمہؓ سے رسول اللہ صلعم کو انتہائی محبت تھی۔ ایک مرتبہ اس خیال سے کہ حضور ان کی بات کو کبھی رد نہیں فرماتے، ازواج مطہرات نے انہیں بھیجا۔ وہ آئیں اور کہنے لگیں۔

اباجان! آپ کی ازواج نے مجھے یہ پیغام دے کر بھیجا ہے کہ آپ ابو جرحہ کی بیٹی کے بارے میں مساوات سے کام لیں۔

حضور نے یہ سن کر فرمایا:

”بیٹی! جسے میں پسند کرتا ہوں تم اسے پسند نہیں کرتیں؟“

انہوں نے جواب دیا:

”کیوں نہیں؟“

حضورؐ نے فرمایا:

”میں عائشہؓ سے محبت کرتا ہوں، تم بھی ان سے محبت کرو۔“

ازواجِ مطہرات یہ تو برداشت کر سکتی تھیں کہ رسول اللہ ﷺ عائشہؓ سے

اپنی محبت کا اظہار دوسری بیویوں سے زیادہ کریں۔ لیکن عائشہؓ کا رسول اللہ ﷺ سے

اپنی محبت و الفت کا اظہار دوسری بیویوں سے زیادہ کرنا انہیں گوارا

نہ تھا۔ ہر بیوی دوسری بیوی سے بڑھ کر رسول اللہ ﷺ سے اپنی محبت و الفت

اور دلی تعلق کا اظہار کرتی تھیں اور ہر ایک کی یہ خواہش تھی کہ اسے حضورؐ کا

زیادہ سے زیادہ قرب نصیب ہو۔ یہی وجہ تھی کہ اگر کسی بیوی کو کسی وجہ سے

رسول اللہ ﷺ سے خصوصی تعلق ہوتا تھا تو دوسری بیویاں اس پر رشک کیا

کرتی تھیں۔

ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”تم میں سے جس کے ہاتھ سب سے لمبے ہوں گے وہ مجھے آخرت میں سب

سے پہلے ملے گی۔“

یہ سن کر سب بیویوں نے اپنے ہاتھ ناپنے شروع کئے اور ہر ایک کی

یہ خواہش تھی کہ اس کے ہاتھ سب سے لمبے ہوں تاکہ آخرت میں اسے سب سے

پہلے حضورؐ سے ملاقات کا مشرف حاصل ہو۔ اس وقت تو وہ نہ سمجھیں کہ لمبے

ہاتھوں سے کیا مراد ہے لیکن حضرت زینب بنت جحشؓ کی وفات پر انہیں

معلوم ہوا کہ لمبے ہاتھوں سے مراد صدقہ و خیرات اور اعمالِ صالحہ ہیں۔ اس کے

بعد سب بیویاں زنیبؓ پر رشک کیا کرتی تھیں کہ انہوں اپنے نیک اعمال اور صدقہ و خیرات کے سبب سب سے پہلے رسول اللہ ﷺ سے جا ملنے کی سعادت نصیب ہوئی۔

بایں ہمہ حضرت عائشہؓ کی محبت کی شان بالکل نرالی تھی۔ دوسری ازواج یقیناً دل و جان سے رسول اللہ ﷺ پر قد اٹھتی لیکن جس حد تک حضرت عائشہؓ نے اپنے آپ کو حضورؐ سے وابستہ کر لیا تھا، اس کی نظیر دوسری بیویوں میں نہیں پائی جاتی۔ سچی اور جو روحانی اور جسمانی تعلق حضرت عائشہؓ کو حضورؐ کے ساتھ تھا وہ ان کی نسبت دوسری بیویوں میں بہت کم پایا جاتا تھا۔ وہ حضورؐ کی حرکات و سکنات کا بغور جائزہ لیتی رہتی تھیں اور حضورؐ کی باتوں کو نہ صرف شوق سے سنتی تھیں بلکہ ان کی جزئیات تک رسائی حاصل کرنے کی کوشش کرتی تھیں۔ چنانچہ اس امر کا اندازہ اس حدیث سے ہو سکتا ہے کہ ایک مرتبہ کسی شخص نے ان سے پوچھا۔

”حضورؐ کس طرح کلام فرمایا کرتے تھے؟“

انہوں نے جواب دیا۔

”حضورؐ لوگوں کی طرح باتیں نہ کیا کرتے تھے بلکہ اس طرح کلام فرمایا کرتے تھے کہ اگر کوئی شخص چاہتا تو باسانی حضورؐ کے کہے ہوئے الفاظ گن سکتا تھا۔“

یہ واقعہ اوپر گزری چکا ہے کہ سخت گرمی کا موسم تھا اور حضورؐ کا چہرہ تھمایا ہوا تھا حضورؐ کی اس حالت کو دیکھ کر حضرت عائشہؓ نے عروہ بن زبیرؓ کے یہ اشعار پڑھے۔

ولو سمعوا فی مصر او لھما فصدہ لما بذلوا فی سوم یوسف من نقد

لواھی زلیخا لورا بن جبینہ

لاثرن بالقطع القلوب علی الایرہ

اگر اہل مصر آپ کے حسن کا شہرہ سن لیتے تو یوسف کی خریداری کے لئے کبھی اپنی پونجی خرچ نہ کرتے اور اگر زلیخا کی سہیلیاں آپ کی منور پیشانی کا جلوہ دیکھ لیتیں تو ہاتھ کاٹنے کی بجائے دل ٹکڑے ٹکڑے کرنے کو ترجیح دیتیں،

ایک خاوند کی دو یادوں سے زاید بیویوں میں منافست کا جو جذبہ طبعی طور پر موجود ہوتا ہے وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا میں بھی تھا بعض اوقات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کے اندھیرے میں گھر سے باہر نکل جایا کرتے تھے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا یہ معلوم کرنے کے لئے کہہیں آپ کسی دوسری بیوی کے گھر تو نہیں چلے گئے آپ کے پیچھے پیچھے جایا کرتی تھیں ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھر سے نکلے، کچھ دیر بعد حضرت عائشہ کی آنکھ کھلی اور انہوں نے حضور کو بستر پر نہ پایا تو وہ آپ کی تلاش میں باہر نکلیں۔ اتفاقاً وہ قبرستان کی طرف چلی گئیں۔ وہاں کیا دیکھتی ہیں کہ حضور شہدا کے مزاروں پر کھڑے اور ان کے لئے مغفرت کی دعائیں مانگ رہے ہیں۔ یہ دیکھ کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا واپس اپنے حجرے میں آگئیں اور اپنے دل میں کہا:

”میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں آپ اپنے رب کی تلاش میں ہیں اور میں دنیا کی تلاش میں ہوں۔“

واپسی پر ان کا سانس بھول گیا تھا جب حضور تشریف لائے تو دریافت

فرمایا:

”عائشہ رضی اللہ عنہا کیوں رہی ہو؟“

انہوں نے جواب دیا:

”یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، آپ حجرے میں تشریف لائے لیکن ادھی رات کو اٹھ کر باہر چلے گئے میرے جذبہ رقابت نے انگریزانی لی اور میں اس خیال سے کہہیں آپ کسی بیوی کے گھر تو نہیں جاتے، آپ کے

پچھے پچھے گئی لیکن میں نے کسی بیوی کے گھر کا رخ کرنے کی بجائے آپ کو بقیع میں دعائیں مانگنے اور آہ وزاری کرتے دیکھا۔

ایسا ہی واقعہ ایک مرتبہ اور پیش آیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باہر نکلے حضرت عائشہؓ ان کے پیچھے پیچھے نکلیں، لیکن جب حضورؐ کو جنگل میں عبادت کرتے دیکھا تو شرمندہ ہو کر واپس ہو گئیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اس واقعہ کا علم ہوا تو آپ نے فرمایا:

”عائشہؓ! تم میں بھی غیرت اور رقابت کا مادہ ہے؟“

انہوں نے جواب دیا:

”یا رسول اللہؐ، کیوں نہیں؟ کیا مجھ جیسی عورت آپ جیسے خاوند کے منگے

میں بھی غیرت کا اظہار نہ کرے گی۔“

حضرت عائشہؓ اپنے بناؤ سنگھار کا بے حد خیال رکھتی تھیں۔ اکثر زرد اور سرخ رنگ کے کپڑے پہنے رہتی تھیں اور خوشبو لگا کر انہیں معطر رکھتی تھیں۔ یہ سب محض اس لئے تھا کہ وہ حضورؐ کی توجہ منعطف کر سکیں۔

(۷)

دوسری بیویاں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور خوشنودی کے حصول کے لئے بجا طور پر کوشاں رہتی تھیں۔ لیکن اس میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ اس تمام جدوجہد کے باوجود حضرت عائشہؓ کو جو مقام حاصل تھا وہ کسی اور بیوی کو حاصل نہ تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تعلقات کے بارے میں ازواج مطہرات سے جو احادیث مروی ہیں ان کا تقابل کرنے کے بعد حضورؐ سے ذہنی وابستگی اور قرب کا جو احساس حضرت عائشہؓ کی احادیث سے ہوتا ہے وہ دوسری بیویوں کی احادیث سے نہیں ہوتا۔ یہاں سوال احادیث کی قلت اور کثرت کا نہیں ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ دوسری بیویوں کی نسبت

حضرت عائشہؓ سے یقیناً بہت زیادہ احادیث مروی ہیں لیکن اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی صحبت میں زیادہ وقت گزارنے کا موقع ملتا تھا البتہ جو امر حضرت عائشہؓ کو دوسری ازواج سے ممتاز کرتا ہے وہ یہ ہے کہ حضرت عائشہؓ کی احادیث سے حضورؐ کا سراپا اتنی صفائی سے ہمارے سامنے آجاتا ہے اور حضورؐ کے عادات و اخلاق اور معمولات کا ایسا بین نقشہ ہمارے سامنے کھینچ جاتا ہے کہ اس سے بہتر ممکن نہیں۔ ان احادیث کے لفظ لفظ سے اس گہری عقیدت، موانست اور قلبی تعلق کا پتہ ملتا ہے جو حضرت عائشہؓ کو حضورؐ سے بطور ایک مشفق خاوند اور رسول کے تھا۔ حضرت عائشہؓ حضورؐ کے ارشادات اور اعمال کو سطحی نظر سے نہیں دیکھتی تھیں بلکہ ان کی باریک بین اور دور رس نگاہ ایک ایک لفظ کے حقیقی مفہوم تک پہنچتی تھی حضورؐ کی باتوں سے جو مطالب حضرت عائشہؓ نکال لیتی تھیں وہ ہر کہ و مرہ کے بس کی بات نہ تھی۔

رسول اللہ ﷺ سے عشق و محبت کا یہ بلند مقام حضرت عائشہؓ کو ایک دن میں حاصل نہیں ہو گیا بلکہ اس منزل تک پہنچنے میں ایک لمبا ترصہ لگا۔ شادی کے وقت ان کی عمر کچھ زیادہ نہ تھی۔ اس وقت ان سے نہ تو رسول اللہ ﷺ کی باتیں سمجھنے کی کامل اہلیت موجود تھی اور نہ قرآن کریم کے حقائق اور غوامض معلوم کرنے کا ملکہ، چنانچہ واقعہ انکے کا ذکر کرتے ہوئے وہ خود کہتی ہیں۔

اس واقعہ کے وقت میں کم سن بھی تھی اور مجھے زیادہ قرآن بھی نہ آتا تھا۔ یہی نہیں بلکہ ان کی بے خبری کا یہ عالم تھا کہ انہیں پیغمبروں کے نام بھی ٹھیک ٹھیک یاد نہ تھے۔ چنانچہ اسی واقعہ کے ضمن میں وہ خود بیان کرتی ہیں کہ جب حضورؐ نے مجھ سے اس بہتان کے متعلق دریافت فرمایا تھا تو میں نے اپنے ذہن میں حضرت یعقوبؑ کا نام لانا چاہا لیکن مجھے ان کا نام یاد نہ آیا۔ آخر میں نے کہا: "میں بھی وہی کہتی ہوں۔"

جو حضرت یوسف کے والد نے کہا تھا فصبر جمیل واللہ المستعان علی ما تصفون (صبر کرنا ہی بہتر ہے اور جو کچھ تم بیان کر رہے ہو اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ ہی میری مدد فرمائے گا)

تاہم بے خبری کی یہ حالت زیادہ دیر تک قائم نہ رہی۔ حضورؐ کی توجہ اور تربیت نے آہستہ آہستہ رنگ لانا شروع کیا اور بالآخر آپ اس بوجھ کو اٹھانے کے پورے طور پر قابل ہو گئیں جسے اللہ تعالیٰ نے ام المؤمنین ہونے کی حیثیت سے آپ پر ڈالا تھا۔

بارہا ایسا ہوتا عورتیں حضورؐ کی خدمت میں بیعت کرنے یا دینی مسائل دریافت کرنے کی غرض سے حاضر ہوتیں۔ ان مواقع پر حضرت عائشہؓ نہ بھی موجود ہوتی تھیں۔ وہ حضورؐ کی زبان مبارک سے نکلے ہوئے ارشادات اور وعظ و نصائح کو ذہن نشین کر لیتیں۔ بعض اوقات ایسا بھی ہوتا کہ حضورؐ علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی فطری شرم و حیا کی وجہ سے عورتوں کے بعض سوالات کا جواب اپنی زبان سے نہ دینا چاہتے اس وقت آپ حضرت عائشہؓ کو ان مسائل کا جواب دینے اور ان کی وضاحت کرنے کا ارشاد فرماتے۔

ایک مرتبہ ایک انصاری عورت اسماء بنت شکیل نے حضورؐ سے دریافت کیا کہ عورت ناپاکی کے ایام کے بعد اپنے آپ کو کیسے پاک کرے۔ آپ نے جواب دیا۔

”جس وقت خون بند ہو جائے تو تین بار اپنے آپ کو پاک کرے“

اس نے دوبارہ کہا:

”حضورؐ یہی تو دریافت کر رہی ہوں کہ کس طرح پاک کرے“

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

”سبحان اللہ! ناپاکی کی حالت سے اپنے آپ کو پاک کرے“



یہ کہہ کر شرم کے مارے اپنا منہ پھیر لیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جب یہ ماجرا دیکھا تو اس عورت کا ہاتھ پکڑ کر اسے اپنی طرف کھینچا اور اسے مسئلے کی کامل نوعیت سے آگاہ کر کے رخصت کر دیا۔

رسول اللہ صلعم کی صحبت سے جتنا فائدہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اٹھایا، شاید ہی کسی اور نے اٹھایا ہو، دینی، فقہی، علمی اور معاشرتی مسائل سے حیرانگیز واقفیت کے باعث وہ مرجع خواص و عوام تھیں جس شخص کو بھی کسی مسئلے کے سمجھنے میں دقت پیش آتی وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آتا اور ہر طرح اپنی تسلی کر لیتا۔ ایک مرتبہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے انہیں لکھا کہ آپ مجھے کچھ نصیحت کیجئے۔ انہوں نے جواب میں لکھ بھیجا۔

”سلام علیک، میں نے رسول اللہ صلعم کی زبان مبارک سے یہ حدیث سنی ہے کہ جس شخص نے لوگوں کو ناراض کر کے اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنی چاہی تو اللہ تعالیٰ لوگوں کی ناراضی کے باوجود خود اس کا کفیل ہوگا۔ لیکن جس شخص نے اللہ تعالیٰ کو ناراض کر کے لوگوں کی رضا مندی حاصل کرنی چاہی تو اللہ تعالیٰ اسے لوگوں کے سپرد کر دیگا۔ وہ اس سے جو برتاؤ چاہیں کریں، اللہ تعالیٰ کو اس سے کچھ سروکار نہ ہوگا۔“

واقعی حضرت معاویہ جیسے امراء کے لئے اس سے بہتر نصیحت اور کوئی ہو بھی نہیں سکتی تھی۔

ام المؤمنین ہونے کی حیثیت سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ذمہ تبلیغ اور تعلیم کا جو فریضہ عاید کر دیا گیا تھا انہوں نے اسے پوری طرح ادا کیا۔ احکام دین ہوں یا مسائلِ قطعیہ، احکام صوم و صلوٰۃ ہوں یا معاشرتی مسائل، غرضیکہ جس کسی امر کے متعلق حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے استفسار کیا جاتا، وہ اس حسن و خوبی کے ساتھ اس کا جواب دیتیں کہ مستفسر باطمینان تمام واپس جاتا۔ بہت سے امور ایسے ہوتے ہیں کہ عورتیں انہیں زبان پر لاتے ہوئے ہچکچاتی ہیں۔ لیکن ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو امت کو تعلیم و تربیت کا کام

سونا گیا تھا۔ اگر وہ اس فریضے سے پہلو تھی برتنیں اور اپنے دینی فرزندوں کی تعلیم و تربیت میں کوتاہی سے کام لیتیں تو اس امانت میں خلل اندازی کی ترکیب ہو تیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے سپرد کی گئی تھی، یہی وجہ تھی کہ ان سے جس مسئلے کے متعلق بھی دریافت کیا جاتا وہ بلا تامل اس کے متعلق اپنی رائے کا اظہار کر دیتیں اور بے جا شرم سے کبھی کام نہ لیتیں جس مسئلے کے متعلق انہیں معلوم نہ ہوتا، بے دھڑک حضور سے دریافت کر لیتیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت میں کل نو سال گزارے۔ یہ مختصر زمانہ ان کے لئے انتہائی خوش نجاتی اور مسرت و شادمانی کا حامل تھا اور بہت کم خوش قسمت عورتیں ایسی ہوتی ہیں جنہیں شادمانی اور خوش نجاتی کا ایسا دور نصیب ہوتا ہے۔ نو سال کے اس ازدواجی دور میں صرف دو ناگوار واقعات پیش آئے۔ ایک تو واقعہ انک جس کا ذکر ہم آئندہ صفحات میں کریں گے اور دوسرا نان و نفقہ میں زیادتی کے مطالبے کے باعث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی تمام بیویوں سے کچھ عرصے کے لئے قطع تعلق کرنے کا واقعہ۔

واقعہ انک میں تو میان بیوی میں سے کسی کا ہاتھ نہ تھا بلکہ یہ کلیتہً منافقتیں کا پریا کیا ہوا تھا۔ اس واقعہ کے دوران میں بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بلند اخلاق اور اپنے اہل و عیال کے ساتھ نیک اور بہتر سلوک کے مشاہدہ کا ایک نیا موقع ملا۔ رہ گیا بیویوں سے ناراضی کا واقعہ تو کون سا گھرا ہوا ہے جو اس قسم کے واقعات سے خالی ہو۔ میان بیوی کے درمیان کسی بات پر رنجش پیدا ہو جانا معمولی بات ہے۔ اور دنیا میں اس قسم کے ہزاروں واقعات روزانہ ہوتے رہتے ہیں۔ اس موقع پر حضور اپنی ازواج کو یہ امر ذہن نشین کرانا چاہتے تھے کہ انہیں اسی طرح سادہ

زندگی بسر کرنی چاہیے جیسی حضور خود بسر کرتے ہیں کیونکہ ان کی حیثیت عام عورتوں جیسی نہیں ہے بلکہ وہ ہر بات میں لوگوں کے لئے نمونہ ہیں۔ اگر نبی کی بیویاں لوگوں کے سامنے قناعت اور نفسانی خواہشات پر قابو پانے کا نمونہ پیش نہ کریں گی تو یقیناً دوسرے مسلمانوں پر اس کا اچھا اثر نہ پڑے گا۔ کچھ عرصہ کی ناراضی اور قطع تعلق کے بعد حضور نے انہیں اختیار دیا کہ اگر وہ چاہیں تو مال و دولت لے کر رخصت ہو جائیں اور چاہیں تو مال و دولت کی خواہش چھوڑ کر اللہ کے رسول کی رفاقت اختیار کریں۔ چنانچہ ہر ایک بیوی نے بلا استثناء رسول اللہ صلعم کی رفاقت کو ترجیح دی اور مال و دولت کا خیال چھوڑ کر نئی ترستی سے زندگی بسر کرنا منظور کر لیا۔

زوجیت کی تمام سعادتیں میسر ہونے کے باوجود حضرت عائشہؓ نے ایک ایسی نعمت سے محروم تھیں جس کے بغیر عورت کی زندگی بہت بے لطف گزرتی ہے۔ ہماری مراد اولاد سے ہے۔ حضرت عائشہؓ کو بھی اولاد سے محرومی کا بہت احساس تھا۔ خصوصاً اس حالت میں کہ انہیں معلوم تھا کہ حضرت خدیجہؓ سے حضورؐ کی بے پناہ محبت کی ایک بڑی وجہ یہ بھی تھی کہ ان کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے حضورؐ کو اولاد سے نوازا۔ ایک مرتبہ حضورؐ کے سامنے بھی اپنے درد و الم کا اظہار انہوں نے ان الفاظ میں کیا تھا:

”یا رسول اللہ! میری تمام سوتوں کی کنیتیں ہیں۔ مگر میری کوئی کنیت نہیں۔“  
رسول اللہ صلعم نے فرمایا:

”تم اپنے بیٹے عبداللہ کے نام پر اپنی کنیت رکھ لو۔“  
حضورؐ کا اشارہ عبداللہ بن زبیر کی طرف تھا جو حضرت عائشہؓ کی بہن اسماؓ کے بیٹے تھے اور عائشہؓ کو ان سے بے حد محبت تھی۔ چنانچہ انہوں نے عبداللہ زبیر کے نام پر ہی اپنی کنیت ام عبداللہ رکھ لی۔

تمام روایات اس امر پر متفق ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے کوئی اولاد نہ ہوئی۔ ایک روایت میں آتا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا ایک حمل ساقط ہوا تھا۔ حضور نے اس بچے کا نام عبداللہ رکھا اور اسی عبداللہ کے نام پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی کنیت ام عبداللہ قرار پائی۔ اولاد سے محرومی کا احساس عورت کیلئے سخت اذیت بخش ہوتا ہے جیسا کہ ہم اوپر لکھ چکے ہیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو بھی اس نعمت سے محرومی کا احساس تھا۔ مرد کو بھی فطرتاً اولاد کی خواہش ہوتی ہے اور وہ اسی بیوی کو پسند کرتا ہے جس کے ذریعے اسکے ہاں اولاد پیدا ہو لیکن حضور نے کبھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو یہ احساس نہ ہونے دیا کہ وہ بے اولاد ہیں اور نہ ہی اس بنا پر آپ نے ان سے تعلق میں کچھ کمی کی۔ اس کے برعکس ہمیشہ محبت، شفقت اور خلوص سے پیش آتے رہے اور محبت و شفقت کا یہ بے پایاں سلوک ہی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے رنج و الم میں کمی اور تسکین کا باعث ہوتا تھا۔

ہم نے اپنی کتاب "عبقرتہ محمد" میں بھی متذکرہ بالا مسئلہ کے متعلق بحث کی تھی۔ اس کا ایک حصہ ہم یہاں بھی درج کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔ ہم نے لکھا تھا۔ "اس سوال کا حتمی جواب دینا تو مشکل ہے کہ حضور کی بیشتر ازواج بے اولاد کیوں رہیں تاہم بعض حالات اس قسم کے ضرور پیدا ہو گئے تھے جن کی بنا پر خیال کیا جاسکتا ہے کہ شاید یہی اسباب اولاد کی محرومی کا باعث نہ بنے ہوں۔

حضور کی کنواری بیوی صرف حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا تھیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان سے بچپن کی عمر میں شادی کی اور آپ کی وفات کے وقت ان کی عمر بیس برس کے لگ بھگ تھی۔ بسا اوقات اتنی عمر میں عورت کے ہاں اولاد نہیں ہوتی۔ ولادت کا زمانہ اس عمر کے بعد شروع ہوتا ہے۔ جہاں تک ان بیویوں کا تعلق ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے دوسرے خاندانوں کے عقید میں آچکی تھیں تو حضرت ام حبیبہ اور

ہند بنت امیہ مخزومیہ کے سوا باقی کسی بیوی سے اس کے پہلے زمانہ زوجیت میں بھی اولاد نہ ہوئی۔ ام حبیبہ اور ہند جس وقت حضورؐ کے عقد میں آئیں تو اتنی بوری ہو چکی تھیں کہ اولاد پیدا کرنے کے قابل نہ تھیں۔ ان کے علاوہ باقی کسی بیوی کی نہ حضورؐ سے اولاد ہوئی اور نہ اپنے پہلے خاوند سے۔

اس کا سبب، جہاں تک ہماری سمجھ میں آسکا ہے یہ ہے کہ حضورؐ نے اولاد کی خاطر اپنی ازواج سے نکاح نہیں کئے حضورؐ کے نکاح بالعموم دو اغراض کے تحت ہوتے تھے۔ بعض عورتیں اپنے خاوندوں کی وفات کے بعد بالکل بے سہارا ہو جاتی تھیں حضورؐ ان کی بے کسی اور بے بسی کا مداوا کرنے کے لئے ان سے نکاح کر لیتے تھے۔ بعض ازواج سے نکاح کرنے میں یہ غرض پنہاں تھی کہ حضورؐ ان کے قبیلوں کو اسلام کی طرف مائل کرنے کے لئے ان سے تعلقات قائم کرنا چاہتے تھے۔ یہ امر تحقیق شدہ ہے کہ حضورؐ کی بیشتر ازواج آپ کے عقد میں آنے سے قبل مصائب اور خطرات کے طوفانوں میں سے گزر چکی تھیں۔ بعض ازواج کو ایک لمبا زمانہ ہجرت کا گزارنا پڑا تھا اور اس دوران میں ہر قسم کی تکالیف اور مصائب سے انہیں واسطہ پڑ چکا تھا۔ رسول اللہ صلعم کی زوجیت سے بہرہ ور ہونے کے بعد بھی انہیں عیش و عشرت کی زندگی میسر نہ آئی، ان متذکرہ بالا صاحبزادیاں حالات کی موجودگی میں اگر کوئی عورت اولاد پیدا کرنے کے نامقابل ہو جائے تو یہ امر باعث تعجب نہیں۔“

”عقربتہ محمد“ میں ہنسنم ازواج النبی کے بانجھ پن پر مجموعی تبصرہ کیا تھا چونکہ موجودہ کتاب ہم نے خاص حضرت عائشہ کے حالات کے بارے میں تالیف کی ہے اس لئے اس ذیل میں مذکورہ بالا باتوں کے علاوہ بعض ایسے امور پر بھی روشنی ڈالنی مطلوب ہے جن کا تعلق خاص حضرت عائشہ سے ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اولاد نہ ہونے کی پہلی وجہ یہ ہے کہ ہم "عقبقرنیہ محمد" میں بھی بیان کر چکے ہیں۔ یہ معلوم ہوتی ہے کہ بیس برس کی عمر تک بالعموم عورتیں صاحب اولاد نہیں ہوتیں اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر حضور کی وفات کے وقت بیس برس کے لگ بھگ ہی تھی۔

اولاد نہ ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بچپن بیماریوں میں گذرا۔ تاریخ کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۰ برس کی عمر میں انہیں بخار آیا جس سے ان کے تمام بال جھڑ گئے۔ بعد میں ان کی صحت ٹھیک نہیں رہی، اور وہ اکثر بیمار ہو جایا کرتی تھیں۔ چنانچہ واقعہ انک کا ذکر کرتے ہوئے وہ کہتی ہیں :

(غزوہ بنی مصطلق سے واپسی پر) میں بیمار پڑ گئی اور برابر ایک مہینے تک بیمار رہی۔ دریں اثناء لوگوں میں اس بہتان کا چرچا ہوتا رہا جو مجھ پر لگایا گیا تھا۔ لیکن مجھے اس کے متعلق کچھ معلوم نہ تھا۔ بیماری کے ایام میں مجھے یہ بات محسوس ہوتی تھی کہ رسول اللہ صلعم مجھ سے پہلے کی طرح نلطف مہربانی اور شفقت سے پیش نہیں آتے۔ میں بہت حیران تھی مگر کوئی بات سمجھ میں نہ آتی تھی۔ بالآخر جب مجھے اپنے اوپر بہتان طرازی کا پتہ چلا تو میرے مرض میں زیادتی ہو گئی۔

واقعہ انک کی روایت کو پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اچانک کوئی رنج دہ خبر ملتی تھی تو انہیں بخار چڑھ جاتا تھا۔

میں نے اس امر کی چھان بین کرنے کے لئے ڈاکٹروں کی طرف بھی رجوع کیا۔ انہوں نے بتایا کہ وہ بخار جس سے بال جھڑ جائیں اور بعد میں بھی متواتر اس کے حملے ہوتے رہیں بالعموم ملیریا یا ٹائیفائیڈ ہوتا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں ملیریا قرین قیاس معلوم ہوتا ہے کیونکہ ہجرت کے بعد یہی مرض مہاجرین میں پھیلا تھا۔ چنانچہ خود حضرت

عائشہؓ اس بارے میں ایک روایت بیان کرتی ہیں جس میں وہ کہتی ہیں :

”جس زمانے میں حضورؐ مدنیہ تشریف لائے وہاں کی آب ہو ابے حد خراب اور گندی تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اکثر مہاجرین بیمار پڑ گئے۔ آخر رسول اللہ صلیم کی دعاؤں کی بدولت وباؤں کا خاتمہ ہوا اور مدنیہ کی آب دھوا گندا اور بیماریوں سے صاف ہو گئی۔ اسی دوران میرے والد ابو بکرؓ بلالؓ اور عامرؓ بن فہیرہ بھی بیمار ہو گئے۔ میں نے رسول اللہ صلیم سے ان کی بیمار پرسی کرنے کی اجازت مانگی۔ پردہ کا حکم اس وقت تک نازل نہ ہوا تھا۔ حضورؐ نے مجھے اجازت دے دی۔ چنانچہ میں ان بیماریوں کی عیادت کے لئے گئی جو اتفاق سے ایک ہی گھر میں تھے۔ سب سے پہلے میں اپنے والد کے پاس پہنچی اور کہا :

”اباجان! آپ کا کیا حال ہے؟“

اس وقت انہیں بخار چڑھا ہوا تھا۔ میرے پوچھنے پر انہوں نے یہ شعر پڑھا ہے

کل امری مصعب فی اہلہ والموت ادنی من اشراق نعلہ

دہر آدمی اپنے اہل و عیال کے درمیان صبح کرنے والا ہے اور موت اس کے

جوتے کے تسمے سے بھی زیادہ اس کے قریب ہے)

میں نے اپنے دل میں کہا۔ ”والد کو کچھ پتہ نہیں کہ کیا کہہ رہے ہیں۔“  
اس کے بعد میں عامر کے پاس گئی اور ان کی مزاج پرسی کی۔ وہ کہنے لگے :

لقد وجدت الموت قبل ذوقہ

ان الجان حتمہ من فوقہ

کل امری مجاہدہ بطوقہ

کالتوزیعہ انفسہ بروقہ

دہیں نے موت کا مزہ چکھنے سے پہلے ہی اسے پایا ہے۔ بزدل کی موت

اوپر سے آتی ہے۔ ہر ایک آدمی اپنی طاقت کے موافق جدوجہد کرتا ہے جس طرح  
بیل اپنے سینگوں سے اپنی حفاظت کرتا ہے۔

میں نے کہا: "عامر بھی اپنے ہوش میں نہیں ہیں"  
بلال رضہ کو جس وقت زور کا بخار چڑھتا تو یہ اشعار پڑھتے تھے

الالیبت شعری هل ابیتن لیلۃ

بواد و حولی اذخر و جلیل

وہل ادون یومًا میا، مجنہ

وہل یدرنون لی شامتہ و طفیل

دکاش مجھے معلوم ہوتا کہ کوئی وقت ایسا بھی آئے گا جب میں وادی مکہ میں  
رات گزاروں گا اور میرے اردگرد اذخر اور جلیل کی خوشبودار گھاس ہوگی اور  
دکاش کوئی دن ایسا بھی میسر ہوگا جب مجھے مجنہ کے چشمے سے پانی پیوں گا اور شام  
اور طفیل کی پہاڑیاں میری نظروں کے سامنے ہوں گی،

حضرت عائشہ رضہ کہتی ہیں:

"میں نے واپس آکر رسول اللہ صلعم سے سب حال بیان کیا اور کہا کہ بخار  
کی وجہ سے کسی کو اپنا ہوش نہیں ہے اور سب بیہوشی میں باتیں کر رہے ہیں یہ  
منکر حضور نے فرمایا:

اے اللہ! ہمارے دلوں میں بلکہ کی طرح مدینہ کی محبت بھی ڈال دے بلکہ اس  
سے بھی زیادہ، مدینہ کی آب و ہوا کو درست کر دے۔ اس کے مد اور صاع  
میں برکت ڈال دے اور اس میں پیدا ہونے والے بخار کو حجبہ میں منتقل کر  
دے۔

لہ حجبہ مدینہ سے کچھ فاصلے پر بلکہ کی جانب ایک بستی ہے۔



اس وبا کا اثر حضرت عائشہؓ پر بھی ہوا اور وہ بھی ملیریا میں مبتلا ہو گئیں بعد میں بھی اس کا اثر بالکل زائل نہ ہو سکا اور بیماری کے حملے بار بار ہوتے رہے۔  
 میں نے بعض مشہور ڈاکٹروں سے اس سلسلے میں گفت و شنید کی تو انہوں نے بتایا کہ ملیریا کی وجہ سے حمل میں رکاوٹ پیدا ہونا ضروری نہیں، ہاں اگر اس بیماری کے متواتر حملوں کی وجہ سے جسم انتہائی لاغر اور کمزور ہو جائے، تب رکاوٹ پڑنے اور حمل ضائع ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے۔

میں نے ان سے بھی دریافت کیا کہ بیماری کے بار بار حملوں کے علاوہ گھر میں مفلسی کا دور دورہ ہو اور بہت تنگی سے گزر اوقات ہوتی ہو۔ تب بھی حمل میں رکاوٹ پیدا ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ ان سوالات سے میرا مقصد یہ تھا کہ حضورؐ کو کبھی متواتر تین دن تک کہیوں یا جو کی روٹی پیٹ بھر کر کھانی نصیب نہ ہوئی تھی اور صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی یہ حالت نہ تھی بلکہ اس تیم فاقہ کشی میں آپ کے ساتھ آپ کے اہل و عیال بھی شریک تھے

ڈاکٹروں کا جواب یہی تھا کہ بچے درپے بچار کے حملوں اور غذا کی قلت کے سبب سے حمل میں رکاوٹ پیدا ہو جانا بہت ممکن ہے مزید برآں اگر حضرت عائشہؓ کے استقراط حمل کو بھی صحیح مان لیا جائے تو یہ ایک مزید دلیل ہوگی بخار کے اثر کے باعث حمل میں رکاوٹ پیدا ہونے اور حمل ضائع ہو جانے کی۔

بہر حال اولاد پیدا نہ ہونے کی کوئی بھی وجہ ہو اسمیں شک نہیں کہ اس کے باعث حضورؐ اور ان کی بیویوں کے درمیان مودت اور الفت کے رشتے میں مطلق کمی نہ آئی۔ اور حضورؐ ہمیشہ ان سے لطف و کرم کے ساتھ پیش آتے رہے۔ بعض دفعہ حضرت عائشہؓ نسوانی ناز و ادا کا اظہار کرتے ہوئے آپ سے پوچھا کرتی تھیں۔

یا رسول اللہ! ہمارے درمیان مہر و وفا کا جو معاہدہ ہوا تھا اس کا کیا حال ہے؟

حضورؐ جواب میں فرماتے :  
اسی طرح برقرار رہے۔ مطلقاً کی نہیں آتی۔

ہر عہدت کی فطری خواہش ہوتی ہے۔ کہ اس کا شوہر صرف اسی کے ساتھ محبت اور الفت سے پیش آئے اور دوسری سب بیویوں کی نسبت اسکے ساتھ گہرا تعلق ہو۔ حضرت عائشہؓ اور دوسری بیویوں میں بھی یہ قدرتی جذبہ بہر حال پایا جاتا تھا اور رسول اللہ ﷺ کی محبت کے حصول میں ہر بیوی دوسری بیویوں سے سبقت لے جانے کی کوشش میں لگی رہتی تھی جس سے بعض اوقات باہم شکر رنجی بھی پیدا ہو جاتی تھی بائیں ہمہ ان کے دل سے یہ خیال کبھی محو نہ ہوتا تھا کہ وہ نبی کی بیویاں ہیں اور ان کا اولین فرض یہ ہے کہ وہ حضورؐ کا پورا احترام کریں، حضورؐ کی رضا کو ہر امر پر مقدم رکھیں اور کوئی موقع ایسا نہ آئے دیں کہ حضورؐ ان کی کسی لغزش کی وجہ سے ان سے ناراض ہوں۔ اگر کبھی کوئی ایسا موقع پیش آ بھی جاتا تھا تو وہ اپنی غلطی سے آگاہ ہونے پر فوراً اس سے رجوع کر لیتی تھیں اور آئندہ کے لئے کبھی حضورؐ کو شکایت کا موقع نہ دیتی تھیں۔

ایک مرتبہ حضرت عائشہؓ نے حضورؐ سے کہا۔

یا رسول اللہ! آپ ہر وقت خدیجہؓ کا ذکر کیوں کرتے رہتے ہیں وہ تو ایک بوڑھی عورت تھی اب تو آپ کو اللہ تعالیٰ نے ان سے بہتر بیویاں عطا فرمادی ہیں حضورؐ نے یہ سن کر اظہار ناراضی فرمایا۔ حضرت عائشہؓ بہت نادام ہوئیں اور آئندہ پھر کبھی حضرت خدیجہؓ کے متعلق کوئی بات زبان سے نہ نکالی، اسی طرح ایک مرتبہ حضرت صفیہؓ کے متعلق کہنے لگیں۔

یا رسول اللہ! صفیہؓ تو پست قامت ہیں۔

حضور یہ سن کر بہت ناراض ہوئے اور فرمایا ۔

عائشہ! تم نے ایسی بات منہ سے نکالی ہے جسے اگر سمندر میں بھی ملانا چاہو

تو ملا سکتی ہو۔

چنانچہ بعد میں حضرت عائشہؓ نے صفیہؓ کے متعلق اس قسم کی بات کبھی نہیں کی

تمام بیویوں میں حضرت عائشہؓ کا سب سے زیادہ مقابلہ کرنیوالی زینبؓ

بنت جحش تھیں۔ لیکن اس کے باوجود وہ کینہ پروری جو عام طور پر سوتوں کے

درمیان ہوتی ہے۔ ان دونوں کے درمیان بالکل مفقود تھی۔ نہ ہی حضرت عائشہؓ

نے اور نہ حضرت زینبؓ نے کبھی کوئی ایسا لفظ منہ سے نکالا جس سے ظاہر

ہوتا ہو کہ وہ ایک دوسرے کو رسول اللہ صلعم کی نظروں سے گرا نا چاہتی ہیں

چنانچہ واقعہ انک کے سلسلہ میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت

زینب کی رائے دریافت فرمائی، تو انہوں نے کہا ۔

خدا کی پناہ! میں اپنی سماعت اور بصارت کو عائشہؓ کی برائی سے بچاتی ہوں

میں نے ان میں سوائے بھلائی کے اور کچھ نہیں پایا۔

حضورؐ کی ایک بیوی سورہ جب پیرانہ سالی کو پہنچ گئیں، تو انہوں نے

اس خیال سے کہ کہیں ان کے بڑھاپے کے باعث حضورؐ انہیں چھوڑ نہ دیں

(گو ان کا یہ خیال تھا) اپنی باری بخوشی حضرت عائشہؓ کو دیدی۔ حضرت عائشہؓ

پر اس کا بہت اثر ہوا اور وہ ہمیشہ حضرت سورہ کی شکر گزار رہیں

ان واقعات کو پڑھ کر کوئی شخص یہ نتیجہ نکالے بغیر نہیں رہ سکتا کہ گو فطری

طور پر کبھی کبھی ازواج مطہرات میں شکر رنجی پیدا ہو جاتی تھی۔ لیکن ان کا آئینہ دل

بالکل صاف تھا اور وہ ایک دوسرے کی دلی خیر خواہ تھیں فطرت کو کوئی شخص

بدل نہیں سکتا اگر نوسنگی بہنیں ایک جگہ رہتی ہوں تو ان میں بھی اکثر

کھٹ پٹ ہو ہی جاتی ہے یہاں تو معاملہ سوتوں کا تھا۔ حضورؐ کی تربیت کا اثر تھا کہ یہ معاملہ صرف باہمی شکر رنجیوں تک محدود رہا۔ کینہ پروری، حسد اور انتقام سے ازواجِ مطہرات کا دامن بالکل پاک تھا اور حدِ اعتدال سے انہوں نے کبھی تجاوز نہ کیا۔

سوتوں کے ساتھ تعلقات کی نوعیت کے سلسلہ میں ایک اور اہم امر کا تذکرہ کر دینا بھی مناسب معلوم ہوتا ہے اور وہ ہے حضرت عائشہؓ اور حضرت فاطمہؓ کے باہمی تعلقات کی نوعیت کا مسئلہ۔

اگر یہ کہا جائے کہ حضورؐ کے نزدیک سب سے محبوب شخصیت آپؐ کی بیٹی فاطمہؓ کی تھی تو غلط نہ ہوگا۔ چنانچہ حضرت عائشہؓ خود بیان کرتی ہیں کہ کسی شخص نے حضورؐ سے دریافت کیا۔

یا رسول اللہ! آپؐ کے نزدیک لوگوں میں سب سے زیادہ محبوب کون ہے؟

حضورؐ نے فرمایا: فاطمہ

اس شخص نے دوبارہ دریافت کیا کہ مردوں میں سب سے پیارا کون ہے؟

آپؐ نے جواب دیا: "فاطمہؓ کے شوہر"

حضرت فاطمہؓ کے بچوں حسنؓ اور حسینؓ سے بھی حضورؐ کو انتہائی محبت تھی آپؐ اکثر ان سے کھیلتے، پیار کرتے، چمکارتے اور ان کے دل بہلانے کا سامان کرتے رہتے تھے۔

اول تو فاطمہؓ حضرت خدیجہؓ کے بطن سے تھیں جن کے ساتھ حضورؐ کی بے

پناہ محبت اور ان کا بار بار ذکر کرنے کے باعث حضرت عائشہؓ اپنے دل میں ایک غلش محسوس کرتی تھیں اور اس کا اظہار ایک مرتبہ انہوں نے حضورؐ کے سامنے

کر بھی دیا تھا۔ دوسرے حضرت عائشہؓ کی گود اولاد سے خالی تھی جب وہ خدیجہؓ کی لختِ جگر کے ساتھ حضورؐ کی الفت و محبت کا نظارہ کرتیں تو انہیں اولاد کی محرومی کا احساس بہت شدت سے ہوتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ ان دونوں کے درمیانی تعلقات کسی حد تک استوار نہ تھے۔ اسی امر کے پیش نظر ایک مرتبہ امہات المؤمنین نے حضرت فاطمہؓ کے ذریعے حضورؐ کو یہ پیغام بھیج دیا تھا کہ آپ اپنی بیویوں اور عائشہؓ کے درمیان مساوات کو کام میں لائیں اور حضرت فاطمہؓ نے بھی یہ خدمت بخوشی قبول کر لی تھی۔

حضرت فاطمہؓ کے ساتھ حضرت عائشہؓ کی رنجش کا باعث یہ امر بھی ہو سکتا ہے کہ واقعہ افک کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کی رائے دریافت فرمائی تو انہوں نے کہا۔

اللہ تعالیٰ نے آپ پر تنگی وارد نہیں کی، عائشہؓ کے علاوہ اور بھی بہت سی عورتیں ہیں۔ (جن سے آپ نکاح کر سکتے ہیں۔)

انسانی طبائع کا خاصہ ہے کہ وہ اس قسم کی باتوں کا اثر بہر حال قبول کرتی ہیں۔ اس لیے اگر حضرت علیؓ کے اس قول سے حضرت عائشہؓ کو رنج پہنچا ہو۔ اور اس کا اثر ان کے اور حضرت فاطمہؓ کے تعلقات پر پڑا ہو تو تعجب نہیں لیکن اسی کے ساتھ یہ امر بھی ذہن نشین کر لینا چاہیے کہ اس رنجش نے کبھی ناگوار صورت اختیار نہیں اور ہر ایک کے دل میں دوسرے کے لیے عزت و احترام کے جذبات برقرار رہے۔

یہ ہے مختصر خاکہ حضرت عائشہؓ کی خانگی زندگی کا جس پر ایک نظر ڈالنے سے ان کی عظیم الشان شخصیت کے مختلف پہلوؤں کا علم ہو جاتا ہے۔ حضرت عائشہؓ نے عام بیویوں کی طرح زندگی گزاری، بلکہ تعلیم و تلقین کا بوجھ اپنے کندھوں

پراٹھا کر انہوں نے صحیح معنوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا شریک جیتا ہونا ثابت کر دیا۔ حضورؐ کی پیش کردہ تعلیمات کو جس طرح انہوں نے اپنے ذہن میں محفوظ کیا، اور کوئی نہ کر سکا اور حضورؐ کی وفات کے بعد آپ کی چھوڑی ہوئی امانت کتاب اللہ اور سنت نبویؐ — کو جس خوش اسلوبی سے انہوں نے امت تک پہنچایا، دوسرے صحابہ میں اس کی نظیر ملنی ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے۔

---

## واقعہ ناپاک

حضرت عائشہؓ کی زندگی کا ایک اہم واقعہ بہتان طرازی کا وہ ناپاک الزام ہے جو منافقین کی طرف سے آپ کی پاک اور مطہر شخصیت کے خلاف گھڑا گیا اس ناپاک الزام کی اشاعت میں سب سے بڑا ہاتھ منافقین کے سردار عبداللہ بن ابی اسلوبی کا تھا جسے رسول اللہ صلعم، اسلام اور مسلمانوں سے سخت دشمنی تھی۔ لیکن اپنے ہم وطنوں کے مسلمان ہونے کی وجہ سے کچھ کرنے سکتا تھا اور اپنے دل کا غبار حضورؐ اور آپ کے اصحاب کے خلاف الزام تراشیوں اور بہتان طرازیوں کے ذریعے نکالتا رہتا تھا۔

اس ناپاک الزام کی اشاعت کے وقت فتنہ پرواز منافقین نے اخلاق اور شرافت کی سب حدود کو بالائے طاق رکھتے ہوئے جو کام کیا اس کے باعث قیامت تک آنے والی نسلیں ان پر لعنت بھیجتی رہیں گی اس موقع پر وہ تمام اسباب مجتمع ہو گئے تھے جنہیں فتنہ پرواز لوگ اپنے مذموم مقاصد کی بجا آوری کے لیے مفید خیال کرتے ہیں اور جن کی بنا پر وہ سادہ لوح لوگوں کو اپنے پیچھے لگا کر معصوم ہستیوں کے متعلق افتراء پردازی اور بہتان تراشی کی مہم شروع کر دیتے ہیں ذیل میں ان اسباب کا بالاختصار تجزیہ کیا جاتا ہے۔

قدیم سے لوگوں کی یہ عادت چلی آتی ہے کہ اگر کسی شخص کے خلاف کوئی افواہ پھیلتی ہے تو وہ اس کی تصدیق اور تحقیق کرنے کی بجائے خود اپنی طرف سے نت نئی باتیں گھڑ کر افواہ کے دائرے کو وسیع کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ویسے تو معمولی معمولی باتوں ہی کا تینگڑ بنا لیا جاتا ہے۔ لیکن اگر کسی مغرب کو نا جائز تعلقاً کے الزام میں ملوث کیا جائے تو ایسے مواقع پر لوگوں کی دلچسپی میں اضافہ ہو جاتا ہے اگر معزز افراد اور عزت ووجاہت رکھنے والے اصحاب ان الزامات کی لپیٹ میں آجائیں۔ تو عوام کی دلچسپی کئی گنا بڑھ جاتی ہے اور اگر کسی قسم کے گندے الزامات لگانے اور ان کی اشاعت کرنے سے بعض لوگوں کی مخصوص اغراض وابستہ ہوں تو فتنہ نہیں اور بھی زیادتی ہو جاتی ہے اور اگر اس فتنہ کا مقصد قومی عصبیت کو بھڑکانا اور ایک فریق کے دل میں دوسرے فریق کے خلاف نفرت و حقارت کے جذبات پیدا کرنا ہو تو اس صورت میں یہ فتنہ اپنی حد کو پہنچ جاتا ہے اور اس سے سنگین نتائج پیدا ہو سکتے ہیں۔

حضرت عائشہؓ کے خلاف بہتان طرازی کا افسانہ بھی اس قبیل سے ہے اس میں بھی ایک پاکیزہ مرد اور مسطر عورت پر الزام تراشی کی گئی تھی یہ دونوں مرد اور عورت بہت بڑی شان میں کے مالک تھے اور اس الزام کو مشتہر کرنے میں قبیلہ خزرج کے سب سے بڑے سردار اور رئیس المناقبین عبداللہ بن ابی بن سلول کی بعض مخصوص اغراض وابستہ تھیں اگر ایسا نہ ہوتا تو وہ حضرت عائشہؓ کے متعلق فتنہ برپا کرنے میں کبھی کامیاب نہ ہو سکتا۔

ابن سلول جیسے بد طینت شخص کی مثال دنیا کے پردے پر ملنی مشکل ہے کذب و نفاق اور مداہنت اس کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی۔ رسول اللہ صلعم اور مسلمانوں کے خلاف جھوٹی افواہیں پھیلانا اور فتنہ و فساد کی راہیں نکلانے کی



کوشش کرنا اس کا محبوب مشغلہ تھا۔

ہجرت مدینہ سے قبل یہ شخص قبیلہ خزرج کا سردار تھا اور بڑی جاہ و مکنت کا مالک، لیکن مدینے میں اسلام پھیلنے کی وجہ سے اس کی سب عزت ووجاہت ختم ہو گئی، جس کے باعث یہ رسول اللہ صلعم کا جانی دشمن بن گیا۔ بظاہر تو کچھ کر نہ سکتا تھا۔ منافقین کے زمرے میں شامل ہو کر حضور کے خلاف ریشہ دوانیاں شروع کر دیں۔ ایک طرف دشمنان اسلام سے خفیہ ساز باز کر کے انہیں مسلمانوں پر چڑھائی کرنے اور رسول اللہ صلعم کو قتل کرنے کی ترغیب دینے لگا اور دوسری طرف اندرون خانہ مختلف تدابیر سے اپنے ہم قوم لوگوں کو اسلام سے متنفر کرنے کی کوشش میں مصروف ہو گیا۔

واقعہ اُفک سے چند دن پہلے، جب کہ مسلمان غزوہ بنو مسطلق سے فارغ ہو کر مدینہ واپس آ رہے تھے، اسلامی لشکر نے ایک چشمے پر پڑاؤ ڈالا ایک مرتبہ چشمے سے پانی لیتے وقت ایک مہاجر اور ایک انصاری کے درمیان معمولی جھگڑا ہو گیا۔ یہ کوئی غیر معمولی بات نہ تھی بلکہ اکثر اوقات جب چشمے میں پانی کم ہو اور پانی لینے والے زیادہ ہوں اس قسم کے جھگڑے ہو ہی جایا کرتے ہیں لیکن ابن سلول نے اسی واقعہ کو فساد کی جڑ بنا کر فتنے کی آگ بھڑکانے اور مہاجرین اور انصار کے درمیان نفرت و حقارت کے جذبات ابھارنے کی کوشش کی اس نے طیش میں آ کر بہت گندے الفاظ منہ سے نکالے اور کہا:

مفت کی روٹیاں توڑ توڑ کر اب قریش کو یہ دن لگے ہیں کہ کھاتے بھی ہیں اور  
 عزاتے بھی ہیں، خدا کی قسم، جب ہم مدینہ واپس پہنچیں گے تو معزز ترین آدمی ذلیل  
 ترین آدمی کو نکال باہر کرے گا۔ (معزز ترین آدمی سے اس کا اشارہ اپنی طرف  
 ہے اور ذلیل ترین آدمی سے نعوذ باللہ رسول اللہ صلعم کی طرف) اس کے

بعد وہ اپنے ہم قبیلہ لوگوں کی طرف متوجہ ہوا اور کہنے لگا۔

یہ سب کچھ تمہارا کیا دھرا ہے۔ تم نے انہیں اپنے گھروں میں جگہ دی اور اپنے اموال ان میں تقسیم کر دیئے۔ اور ابھی کیا ہے اگر اسی طرح یہ سلسلہ جاری رہا تو تمہیں دکھا دوں گا۔ کہ یہ لوگ تمہیں تمہارے گھروں سے نکال باہر کریں گے اور تم ان کا کچھ بگاڑ نہ سکو گے۔

ابن سلول کی ان فتنہ انگیز باتوں کی اطلاع رسول اللہ صلعم کو بھی ہو گئی لیکن جب آپ نے اس سے استفسار فرمایا تو صاف مکر گیا اور قسم کھالی کہ اس نے اس قسم کی کوئی بات زبان سے نہیں نکالی۔

غرض اپنی ناکامی اور قیادت سے محرومی کے باعث ابن سلول کا جذبہ انتقام ابھرا آیا اور وہ ہر جائز و ناجائز طریقے سے مسلمانوں کو تنگ کرنے اور انہیں نیچا دکھانے پر تلا ہوا تھا، چنانچہ اس کی انہی مفسدانہ باتوں کو دیکھ کر قبیلہ او س کے ایک بڑے سردار اسید بن حضیر نے رسول اللہ صلعم سے عرض کیا تھا کہ آپ ابن سلول کی باتوں کو خاطر میں نہ لائیں یہ معذور ہے۔ آپ کے مدینہ تشریف لانے سے قبل اہل مدینہ نے متفقہ طور پر اسے اپنا سردار بنانے کا فیصلہ کیا تھا۔ اور اس کے لیے تاج بھی تیار ہو گیا تھا۔ لیکن آپ کے آنے سے اس کی تمام آمنگیاں دل ہی دل میں دبی رہ گئیں۔ اور اس کی بادشاہی کے خواب حسرتوں میں تبدیل ہو گئے۔ اب وہ اپنی شکست اور ناکامی کا انتقام لینے کی خاطر ان کھینے حرکات پر تلا ہوا ہے مناسب یہی ہے کہ حضور اسے اس کے حال پر چھوڑ دیں۔

یہی وجہ ہے کہ حضرت عائشہؓ پر بہتان کی اشاعت و ترویج سے اس کی غرض مٹا دینے کی خاطر ایک پاکیزہ عورت کو متہم کرنا نہ تھی بلکہ اصل مقصد

رسول اللہ صلعم اور اسلام کو بدنام کرنا تھا۔ چنانچہ جب صفوان بن امیہ کا اونٹ جس پر حضرت عائشہؓ سوار تھیں۔ ابن سلول کے پاس سے گزرا تو اس نے پوچھا "یہ عورت کون ہے؟"

جب اسے بتایا گیا کہ یہ عائشہؓ ہیں تو اس نے کہا۔  
 لو یہ تمہارے نبی کی بیوی ہے جس نے رات ایک غیر مرد کے ہمراہ گزاری  
 (نعوذ باللہ من ہذا الخرافات) اور اب صبح ہونے پر وہ اسے اپنے ساتھ لے کر  
 آیا ہے۔

عبداللہ بن ابی بن سلول کی طرح دیگر مخالفین اسلام نے بھی واقعہ انک  
 کو اسلام اور باقی اسلام علیہ التحیۃ والتسلیم پر طعن و تشنیع کرنے کا ایک ذریعہ بنا  
 رکھا ہے اور اس کام میں یورپ کے پادری اور مشرقین پیش پیش ہیں البتہ جن  
 لوگوں میں شرافت کا کچھ مادہ پایا جاتا ہے واس واقعہ کو سراسر بعید از عقل سمجھتے  
 ہیں چنانچہ سرولیم میورا اپنی کتاب میں لکھتا ہے۔

حضرت عائشہؓ کی ماقبل اور مابعد کی سیرت کا مطالعہ کرنے سے یہ امر نہایت صاف  
 اور واضح طور پر ظاہر ہو جاتا ہے۔ کہ وہ اس ناپاک اتہام سے قطعاً بری تھیں۔

بعض لوگ حقیقت سے اس حد تک تجاوز کر گئے ہیں کہ انہوں نے لکھ دیا  
 کہ عائشہؓ نبی کریم سے ایک دن تک علیحدہ رہیں اور یہ پورا دن انہوں نے صفوان  
 کے ساتھ گزارا۔ چنانچہ رادویل (ROD WELLY) اپنے ترجمہ القرآن میں سورہ نور  
 کے اس مقام پر جہاں اس واقعہ کا ذکر آیا ہے حاشیہ میں یہی لکھتا ہے۔

بیشتر مشرقین نے اگرچہ واقعات بیان کرنے میں انتہائی تمسک سے کام  
 لیا ہے تاہم انہیں یہ جرات نہ ہو سکی کہ وہ حضرت عائشہؓ کو نعوذ باللہ اس الزام  
 میں ملوث گردان سکیں لیکن بعض پادری امانت و دیانت اور اخلاق و شرافت

کو بلائے طاق رکھتے ہوئے ایسا کرنے سے بھی دریغ نہیں کرتے بعض نے تو یہاں تک لکھ دیا ہے کہ محمدؐ نے عائشہؓ کو الزام سے بری قرار دینے اور اتہام لگانے والے اشخاص کو عبرت ناک سزا سے ڈرانے کے لئے سورہ نور کی وہ آیات تصنیف کیں جن میں عائشہؓ کی بریت کا بیان اور الزام لگانے کی صورت میں چار گواہوں کی شہادت پیش کرنے کا ذکر ہے۔

جن متشرقین نے اس قسم کی خامہ فرسائی کی ہے۔ انہوں نے قرآن کریم سے اپنی ناواقفیت اور جہالت پر مہر تصدیق ثبت کر دی ہے اگر عورت پر الزام لگانے کی صورت میں چار گواہ پیش کرنے کا ذکر صرف سورہ نور میں ہوتا تب ان متشرقین کے لئے اعتراض کرنے کی کچھ گنجائش ہوتی لیکن جو شخص قرآن کریم کی آیات سے واقف ہے اسے معلوم ہے کہ سورہ نساء میں بھی نسا کے الزام کی صورت میں چار گواہ پیش کرنے کا ذکر ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَاللّٰهُ تَعَالٰی یَاْتِنُ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِسَائِكُمْ فَاَسْتَشْهَدُوْنَ عَلَیْهِنَّ اَرْبَعَةً مِنْكُمْ فَاَنْ شَهِدُوا  
فَاَسْكَمُوا مِنْ فِی الْبُیُوْتِ حَتّٰی یُتَوَفَّیْهُنَّ الْمَوْتُ اَوْ یَجْمَعَنَّ اللّٰهُ لَهِنَّ سَبِیْلًا۔

وہ عورتیں جو زنا میں ملوث پائی جائیں ان کے خلاف چار گواہ پیش کرنے ضروری ہیں اگر وہ گواہی دے دیں تو ایسی عورتوں کو اپنے گھروں میں اس وقت تک روکے رکھو، جب تک ان کا رشتہ حیات منقطع نہ ہو جائے یا اللہ تعالیٰ ان کے لئے کوئی اور راستہ پیدا نہ کر دے۔

یہ امر فی البدیہہ ثابت ہے کہ سورہ نساء کی یہ آیات سورہ نور سے بہت پہلے نازل ہو چکی تھیں اور اس وقت کسی شخص کو اس بات کا گمان بھی نہیں ہو سکتا تھا کہ آگے چل کر حضرت عائشہؓ پر اس قسم کا اتہام لگایا جائیگا لہذا یہ کہنا کہ رسول اللہ ﷺ

نے محض عانت کو بچانے کی خاطر چار گواہوں کی شرط لازم قرار دیدی۔ ایک ایسا بہتان ہے جس سے بہتان لگانے والے کی علمی جہالت آشکارا ہو جاتی ہے۔

بعض پادریوں نے یہ گواہی دہانی کی ہے کہ جب مسلمان غزوہ بنو مصطلق سے واپس آ رہے تھے تو راتیں اندھیری تھیں اور اندھیری راتوں میں ایک گمشدہ ہار کا ڈھونڈنا سخت دشوار امر ہے لیکن یہ بات بھی بالہدایت غلط ہے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ۲ شعبان کو سفر پر روانہ ہوئے تھے اور حضور کی واپسی یقیناً چاندنی راتوں میں ہوئی تھی۔ علاوہ بریں اگر ان دنوں اندھیری راتیں ہوتیں تو منافقین، جو پادریوں کی طرح اعتراض کا کوئی موقع بھی ہاتھ سے نہ جانے دیتے تھے اپنے الزام کی تشہیر کے دوران میں اس امر کو بھی ضرور پیش کرتے، لیکن ہمیں اس قسم کی کوئی روایت نظر نہیں آتی۔ جس سے ظاہر ہوتا ہو کہ منافقین کی طرف سے اپنے الزام کے ثبوت میں یہ امر بھی پیش کیا گیا تھا۔

حقیقت یہ ہے کہ ہم جس جہت سے بھی دیکھیں اس الزام کے سر تا پا افتراء ہونے میں کسی قسم کا شک و شبہ باقی نہیں رہ سکتا۔ نہ معلوم وہ لوگ کس قسم کی ذہنیت کے مالک تھے جنہوں نے اس اتہام کی تشہیر میں حصہ لیا۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ انہوں نے کس طرح یہ یقین کر لیا کہ لوگوں کے دماغ جس سے اس قدر ماؤف ہو چکے ہیں اور ان کی عقلیں اس حد تک اندھی ہو چکی ہیں کہ وہ ان کی طرف سے پیش کردہ ہر قسم کی خرافات تسلیم کرنے کیلئے تیار ہو جائیں گے۔ اس الزام کی تشہیر کرنے والے لوگوں سے قطع نظر، حال کے مخالفین اسلام کی عقلوں پر تعجب ہوتا ہے کہ وہ کس ڈھصائی سے تاریخی واقعات اور حقائق کو جھٹلانے کی کوششوں میں مصروف نظر آتے ہیں۔ حالانکہ اگر وہ اپنی عقلوں کو ذرا بھی کام میں لاتے تو انہیں اس حقیقت کا علم ہوتے میں ذرا بھی دقت نہ ہوتی کہ کوئی ایک قرینہ بھی ایسا نہیں پایا جاتا، جس سے اس الزام کی صحت ثابت ہو سکتی ہو۔ یہ الزام ایک بدترین جھوٹ ہے۔ کسی دیانت دار مورخ کے لیے زیبا نہیں کہ وہ دیدہ دانستہ اس جھوٹ پر پردہ ڈالنے اور اسے صحیح ثابت کرنے کی کوشش کرے۔ یہ ایک خطرناک بدظنی ہے۔ کسی انسان کے لیے مناسب نہیں کہ اس سے

اپنے آپ کو آلودہ کرے ایک پاکباز عورت پر گندمی تہمت ہے کسی شریف ان سے قطعاً بعید ہے کہ وہ اس پر ایک لمحہ بھی یقین کر سکے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت عائشہؓ کی بریت نازل فرمائی اس لیے نہیں کہ یہ معاملہ اس قدر مشکوک تھا کہ اللہ تعالیٰ کی بریت کے بغیر صاف نہ ہو سکتا تھا بلکہ اس لیے کہ آئندہ اگر کبھی پاک دامن عورت کے ساتھ یہ معاملہ پیش آئے تو لوگ بلا سوچے سمجھے دریدہ ذہن اور خبیث، لفظرت لوگوں کے پیچھے نہ چل پڑا کریں ورنہ حضرت عائشہؓ کا دامن تو اس قدر صاف تھا کہ کسی شریف الطبع غیر مسلم تک کو اس کی صفائی میں شبہ نہیں ہو سکتا۔ کجا یہ کہ ان کی بریت میں آسمان سے وحی نازل ہونے کی ضرورت پڑتی۔

خلاصہ یہ کہ اس ناپاک الزام سے حضرت عائشہؓ کی بریت کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ اس تہمت کے ثبوت میں حقیر سے حقیر اور کمزور سے کمزور دلیل بھی پیش نہیں کی جاسکتی۔

بہتان طرازی کا فتنہ غزوہ بنو مصطلق سے واپسی پر شروع ہوا واپسی کے معاً بعد ایسے آثار دکھائی دینے لگے تھے کہ عبداللہ بن ابی سلول کی کینہ پروری اور بغض و عداوت ضرور رنگ لاکر رہے گی اس شخص پر رسول اللہ صلعم نے بے حد احسانا کیئے تھے لیکن ان کا بدلہ اس نے یہ دیا کہ ہمیشہ مسلمانوں کی تباہی کے درپے رہا اور حضورؐ کی مخالفت کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ نہ دیا۔ کینہ پروری اور مکر و فریب میں اس کا جواب نہ تھا۔ اور سازشوں اور بہتان طرازیوں میں یہ شخص طاق تھا۔

سب سے پہلے یہ واقعہ پیش آیا کہ ایک جگہ مسلمانوں نے پڑاؤ ڈالا قریب ہی ایک کنواں تھا لوگ وہاں پانی لینے کیلئے پہنچے، اتفاقاً ایک مہاجر اور انصاری کی

پانی لیتے وقت باہم کچھ گرم گفتگو ہو گئی اور دونوں نے جاہلیت کے طریقے کے مطابق اپنے اپنے قبیلے کو مدد کے لیے پکارا۔ یہ آواز سنتے ہی دونوں فریق ہتھیار لے کر کنویں پر پہنچ گئے۔ قریب تھا کہ تلواریں کھینچ جائیں کہ حضورؐ کو خبر پہنچ گئی۔ آپ اپنے خیمے سے باہر نکلے، اور فریقین کو جمع کر کے سخت خفگی کا اظہار فرمایا اور کہا کہ تم نے میرے سامنے جاہلیت کی باتوں کو دہرانا شروع کر دیا۔ حضورؐ کی تفسیر سن کر قریش اور انصار دونوں کو اپنی غلطی کا احساس ہوا اور آئندہ کے لیے محتاط رہنے کا وعدہ کیا۔ چنانچہ بات آئی گئی ہو گئی۔

یہ واقعہ بظاہر بہت معمولی تھا اور بعد میں کسی کو اس کا خیال نہ رہتا لیکن عبداللہ بن ابی بن سلول نے اپنے مذموم مقاصد کی تکمیل کے لیے اس موقع کو بہت اہم سمجھا اور اس واقعہ کی بنا پر اس نے قبیلہ خزرج میں عصیت کی آگ بھڑکانے کی کوشش شروع کر دی جو شخص بھی اسے ملتا اسے روک کر کہتا۔ کیا تم نے آج سے زیادہ ذلت آمیز سلوک کبھی ہم سے ہوتے دیکھا؟ خدا کی قسم اپنے قبیلے کی ذلت کو دیکھ کر میرا کلیجہ ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔ اچھا لشکر کو مدینہ پہنچ لینے دو، وہاں پہنچ کر معزز ترین شخص ذلیل ترین شخص کو شہر سے نکال دیگا۔ اسی سختی پر بس نہیں کی بلکہ اپنے ساتھیوں کو کہنے لگا:

تم نے محمدؐ کی پیروی کا نتیجہ دیکھ لیا۔ تم نے اس کی آواز پر لبیک کہہ کر اپنی جانیں قربان کر دیں اپنی اولادوں کو یتیم اور بیویوں کو بیوہ بنا لیا تم تعداد میں زیادہ تھے لیکن آہستہ آہستہ تمہاری تعداد گھٹتی گئی قریش تھوڑے تھے لیکن ان کی تعداد بڑھتی گئی۔ اب تمہارے بچاؤ کا صرف ایک ذریعہ ہے اور یہ کہ اب تم محمدؐ اور اس کے ساتھیوں پر کچھ خرچ نہ کرو یہ دیکھ کر آہستہ آہستہ سب لوگ محمدؐ کا ساتھ چھوڑ دیں گے اور تمہیں ایک عظیم مصیبت سے نجات مل جائیگی۔

عبداللہ بن ابی بن سلول کی ان مفسدانہ باتوں کی اطلاع حضور کو بھی مل گئی دوپہر کا وقت تھا اور شدید گرمی پڑ رہی تھی لیکن آپ نے یہ خبر ملتے ہی فوراً کوچ کر نیکا حکم دیدیا۔ ایک صحابی اسید بن حضیر نے کہا۔

یا رسول اللہ! یہ تو بہت ہی نامناسب وقت ہے اس وقت تو آپ کبھی کوچ کا حکم نہیں دیتے آج کیا نئی بات ہو گئی ہے؟

رسول اللہ صلعم نے فرمایا:

تم نے سنا نہیں عبداللہ بن ابی بن سلول کیا کہتا ہے؟

حضور کے حکم کے مطابق لشکر نے کوچ شروع کر دیا آپ باری باری اونٹنی کو کوڑا مارتے تھے تاکہ وہ جلدی چلے، اسی طرح دن کا آخر آگیا لیکن آپ نے برابر کوچ جاری رکھا اور رات کو بھی کہیں ٹھہرنا مناسب نہ سمجھا، اگلے روز صبح کو جب سورج کی کرنیں لشکر پر پڑنے لگیں اس وقت آپ نے لوگوں کو پڑاؤ کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی۔ لوگ بھکے ہوئے ٹوتھے ہی سواریوں سے اترتے ہی پر کر سو گئے۔

جب دوبارہ سفر شروع ہوا تو سخت آندھی چلنے لگی اور لشکر کی ہلاکت کا خطرہ پیدا ہو گیا ادھر بعض لوگوں کو یہ خدشہ بھی لاحق تھا کہ کہیں عینہ بن حصن مسلمانوں کی غیر حاضری سے فائدہ اٹھا کر اس دوران میں مدینہ پر حملہ نہ کر دے کیونکہ اس کے اور مسلمانوں کے درمیان صلح کی معیاد ختم ہو گئی تھی ان حالات کی وجہ سے لشکر نے غیر معمولی رفتار سے کوچ شروع کر دیا اور بہت جلد مدینہ کے قریب پہنچ گیا۔

ابھی مدینہ کچھ فاصلے پر تھا کہ سورج غروب ہو گیا اور رات کی تاریکی کے باعث لشکر کو ایک میدان میں پڑاؤ ڈالنا پڑا۔ پچھلے پہر جب دوبارہ کوچ کی تیاریاں



شروع ہوئیں تو حضرت عائشہؓ کو رفع حاجت کی ضرورت پیش آئی اور وہ قافلے سے  
 ذرا دور چلی گئیں۔ جب واپس آئیں تو معلوم ہوا کہ ان کا ہار کہیں ٹوٹ کر گر پڑا ہے  
 وہ اس کی تلاش میں دوبارہ قافلے سے باہر نکلیں اندھیری رات میں ایک چھوٹے  
 سے ہار کو ڈھونڈنا بہت مشکل کام تھا انہیں کافی دیر لگ گئی اس دوران میں ہودج  
 اٹھانے والوں نے اس خیال سے کہ حضرت عائشہؓ اپنے ہودج میں ہیں، اسے اٹھا  
 کر اونٹ پر رکھ دیا اور قافلہ روانہ ہو گیا چونکہ حضرت عائشہؓ بہت دہلی پتلی تھیں اس  
 لئے ہودج ہلکا ہونے کے باوجود انہیں شبہ بھی نہ ہوا کہ وہ اس میں نہیں ہیں۔

ہار کو تلاش کر کے جب حضرت عائشہؓ واپس آئیں تو قافلہ جاچکا تھا وہ بہت  
 گھبرائیں لیکن یہ خیال کر کے وہیں پڑ رہیں کہ جب قافلے والوں کو ان کے ہودج میں  
 نہ ہونے کا علم ہوگا تو وہ انہیں لینے کے واپس آئیں گے۔ صفوان بن معطل ایک صحابی  
 تھے جو لشکر کی گری پڑی چیزوں کو اٹھانے کے لئے لشکر کے پیچھے پیچھے رہتے تھے۔  
 حضورؐ نے خود انہیں اس خدمت پر مامور فرمایا تھا اس کی بڑی وجہ یہ تھی، کہ وہ  
 بہت گہری نیند سونے والے تھے۔ لشکر روانہ ہو جاتا تھا مگر ان کی آنکھ نہ کھلتی تھی  
 اور وہ بدستور خواب غفلت میں مدہوش رہتے تھے۔ ایک مرتبہ ان کی بیوی نے حضورؐ  
 سے شکایت بھی کی تھی کہ میرا خاوند سوتا رہتا ہے اور نماز فجر کے لئے بھی نہیں اٹھتا  
 چونکہ حضورؐ صفوان کی عادت سے واقف تھے، اس لئے آپ نے انہیں اجازت  
 دے دی تھی۔ کہ جس وقت ان کی آنکھ کھلے نماز ادا کر لیا کریں۔

اس جگہ اس امر کا اظہار کر دینا بھی ضروری ہے کہ صفوان کی بیوی کا حضورؐ  
 سے شکایت کرنے کا مقصد دراصل حضورؐ کو اس طرف توجہ دلانا تھا کہ صفوان کو  
 مجھ سے بالکل رغبت نہیں ہے اور وہ میرے پاس کبھی نہیں آتا چونکہ وہ شرم و حیا  
 کی وجہ سے یہ بات کھلم کھلا زبان پر نہ لاسکتی تھیں۔ اس لئے انہوں نے صفیان کی

گہری نیند کا تذکرہ کر کے اپنی شکایت کا اظہار کنایتہ حضور کے سامنے کر دیا۔ صفوان کے اپنے بیان سے بھی اس بات کی تصدیق ہوتی ہے۔ چنانچہ جب انہوں نے لوگوں کو اپنے متعلق چہ گوئیاں کرتے سنا تو قسم کھا کر کہا کہ میں نے آج تک کسی عورت کے کندھے پر سے کپڑا نہیں اٹھایا۔

دن چڑھے جب صفوان بیدار ہوئے تو انہوں نے دور میدان میں ایک سیاہ چیز بڑی ہوئی دیکھی۔ جب وہ قریب آئے تو معلوم ہوا وہ حضرت عائشہ ہیں انہوں نے زور سے انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا۔ انا للہ پڑھنے سے ان کا مقصد یہ تھا کہ وہ اس آواز سے جاگ اٹھیں اور بات کرنے کی نوبت نہ آئے۔ صفوان کی آواز سے حضرت عائشہ کی آنکھ کھل گئی۔ صفوان اپنا اونٹ قریب لائے۔ اور کہا۔ ام المؤمنین! سوار ہو جائیے۔ چنانچہ حضرت عائشہ اونٹ پر سوار ہو گئیں۔ صفوان اس کی مہار پکڑ کر لشکر کے پیچھے چھپے چھپے روانہ ہو گئے اور دوپہر کے وقت اسے جا لیا۔

جب عبد اللہ بن ابی کو اس واقعہ کا علم ہوا تو اسے فتنہ پردازوں کا ایک اور موقع ہاتھ آ گیا وہ پہلے ہی ایک مہاجر اور انصاری کے معمولی جھگڑے سے فائدہ اٹھا کر مہاجرین اور انصار میں تفرقہ ڈلوانے اور عصبیت کی آگ بھڑکانے کی مذموم کوشش کر چکا تھا۔ اس ناپاک تہمت کی تشہیر تو اس نے راستے ہی میں کرنی شروع کر دی تھی، لیکن مدینہ پہنچنے پر اس فتنہ نے منظم پروپیگنڈے کی صورت اختیار کر لی اور منافقین نے زور شور سے الزام کو مشتہر کرنا شروع کر دیا۔

اس فتنہ کے پھیلانے سے منافقین کی تین اعتراض تھیں۔ اول، رسول اللہ صلعم اور حضرت ابو بکر صدیق کے درمیان اختلاف پیدا کر دیا جائے۔ دوم، مسلمانوں میں رسول اللہ صلعم کے تقدس کے متعلق بدگمانی کے جذبات ابھارے جائیں۔ سوم، انصار اور خصوصاً قبیلہ خزرج اور قریش میں اختلافات پیدا کر کے اول الذکر

کو اسلام سے برگشتہ تھے۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس واقعہ کا ذکر خود حضرت عائشہؓ کی زبانی بھی بیان کر دیا جائے کیونکہ جس تفصیل سے خود انہوں نے اس کا ذکر کیا ہے اور کسی صحابی یا راوی نے نہیں کیا وہ فرماتی ہیں

غزوہ بنو مصطلق سے واپسی پر جب ہم مدینہ پہنچے تو میں ایک مہینے تک بیمار رہی اور میں اتنا لوگوں میں منافقین کی پھیلائی ہوئی باتوں کا چرچا ہوتا رہا لیکن مجھے اس بارے میں کچھ معلوم نہ تھا البتہ مجھے یہ احساس ضرور ہوتا تھا کہ مجھ پر رسول اللہ صلعم کا پہلا سالنقات نہیں ہے۔ حضور اس وقت میرے پاس تشریف لاتے۔ جب میری والدہ میری تیمارداری میں مصروف ہوئیں اور معمولی منزل پر سی کر کے واپس تشریف لے جاتے مجھے سخت حیرت تھی کہ یہ کیا ماجرا ہے۔ رسول اللہ صلعم مجھ سے پہلے کی طرح شفقت سے کیوں پیش نہیں آتے۔ ایک دن اسی بیماری کی حالت میں ام سبط کے ساتھ قضائے حاجت کے لئے باہر نکلی۔ ام سبط میرے والد کی فالہ زاد بہن تھیں راستے میں ان کا پاؤں چادر میں الجھ گیا ان کی زبان سے بے اختیار یہ الفاظ نکلے مسطح تباہ ہو گیا۔

میں نے کہا: تم کتنی بری بات اپنی زبان سے نکال رہی ہو ایسے آدمی کو کوستی ہو جو جنگ بدر میں شریک تھا۔ وہ کہنے لگیں بھولی بھالی لڑکی تم نے نہیں سنا وہ کیا کہتا ہے؟ میں نے پوچھا۔ کیا کہتا ہے۔ اس پر انہوں نے تمام واقعہ بتایا کہ میرے متعلق منافقین کیا کیا بہتان طر ازیاں کر رہے ہیں یہ سن کر میری بیماری میں زیادتی ہو گئی۔ میں اپنے گھر واپس آ گئی اور رات اس حالت میں گزار دی کہ نہ ایک پل کے لئے میری آنکھوں سے آنسو تھے۔ اور نہ آنکھ جھپکی۔ صبح کے وقت رسول اللہ صلعم تشریف لائے اور سلام کے بعد حسب معمول فرمایا: تمہارا کیا حال ہے؟ میں

نے حضور سے اپنے والدین کے گھر جانے کی اجازت مانگی کیونکہ میں چاہتی تھی کہ ان سے مفصل اور یقینی حالات معلوم کروں۔ رسول اللہ صلعم نے اجازت دیدی۔ اور میں اپنے والدین کے گھر آگئی اس وقت میری والدہ ام رومان گھر کے نچلے حصہ میں تھیں اور اوپر میرے والد ابو بکر قرآن کریم کی تلاوت کر رہے تھے۔ میری والدہ مجھے دیکھ کر کہنے لگیں۔ تم اس بیماری کی حالت میں کیوں چلی آئیں؟ میں نے کہا۔ میرے متعلق لوگ جو باتیں بنا رہے ہیں۔ وہ آپ سنتی رہیں لیکن مجھ سے آپ نے ایک لفظ بھی نہیں کہا۔ انہوں نے جواب دیدیا۔ بیٹی رنج نہ کرو اگر کوئی خوبصورت عورت کسی ایسے مرد کی زوجیت میں ہو جو اس سے بہت محبت کرتا ہو۔ اور اس کی سوتیلی بھی ہوں تو بسا اوقات اس کے متعلق ایسی ایسی خبریں مشہور ہو ہی جاتی ہیں۔ یہ سن کر میں پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ میرے رونے کی آواز سن کر والد اتر کر آئے اور والدہ سے کہنے لگے۔ اسے کیا ہوا انہوں نے جواب دیا اسے ان باتوں کا علم ہو گیا ہے جو اس کے متعلق مشہور کی جا رہی ہیں یہ سن کر ان کی آنکھوں میں آنسو بھراٹے۔ دوران میں مجھے مسلسل روتے ہی گزریں۔ میرے والدین برابر میرے پاس بیٹھے رہے ان کا خیال تھا روتے روتے میرا کلیجہ پھٹ جائیگا۔ اسی دوران میں حضور تشریف لا اور سلام کر کے بیٹھ گئے۔ کچھ دیر کی خاموشی کے بعد آپ نے فرمایا۔ عائشہ مجھے تمہارے متعلق اس قسم کی باتیں پہنچی ہیں۔ اگر تم بے گناہ ہو تو اللہ تعالیٰ اپنی جانب سے خود تمہاری بریت نازل فرمائے گا۔ اور اگر تم واقعی اس گناہ میں ملوث ہو تو اللہ تعالیٰ سے استغفار اور توبہ کرو۔ کیونکہ جب بندہ اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی بخشش طلب کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اسے معاف کر دیتا ہے۔

جب حضور اپنی بات ختم کر چکے تو میرے وہ آنسو جو پھلے کئی دنوں سے جاری تھے یکایک تم گئے اور مجھے ایسا محسوس ہوا گویا میری آنکھوں میں کوئی قطرہ تھا ہی نہیں۔

میں نے اپنے والد سے کہا۔ رسول اللہ صلیم کو جواب دیجئے۔ انہوں نے فرمایا میری سمجھ میں تو کچھ نہیں آتا کہ میں کیا جواب دوں۔ اس پر میں نے والدہ سے کہا۔ آپ جو جواب دیجئے انہوں نے بھی یہی کہا کہ میری سمجھ میں تو کچھ نہیں آتا۔ اس پر میں یوں گویا ہوئی آپ لوگوں نے یہ بات اتنے تواتر سے سنی ہے کہ وہ آپ کے دلوں میں راسخ ہو گئی ہے اگر میں یہ کہوں کہ میں بے گناہ ہوں اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ میں بے گناہ ہوں تو آپ لوگ میری بات تسلیم نہیں کریں گے لیکن اگر میں کسی گناہ کا اعتراف کر لوں حالانکہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ میں اس سے بری ہوں تو آپ لوگ اسے تسلیم کر لیں گے۔ اللہ کی قسم! میں اس بات کے سوا اور کچھ نہیں کہہ سکتی جو یوسفؑ کے باپ نے کہی تھی۔ یعنی فطیر جبیل واللہ المستعان صبر کرنا ہی بہتر ہے اور اللہ ہی میرا مددگار رہے اس کے بعد میں منہ پھیر کر لیٹ گئی مجھے یہ خیال نہ تھا کہ اللہ تعالیٰ میرے

بارے میں وحی نازل فرمائے گا۔ بلکہ یہ امید تھی کہ اللہ تعالیٰ رسول اللہ صلیم کو کوئی ایسا رویا دکھائے گا۔ جس سے میری بریت ظاہر ہو جائے گی۔ اس موقع پر ابو بکرؓ نے صرف اتنا کہا۔ عرب کے کسی گھرانے کو اتنی ذلت نہ اٹھانی پڑی ہوگی جتنی ہمیں اٹھانی پڑی ہے! خدا کی قسم! جاہلیت میں بھی ہمارے متعلق ایسی باتیں نہ کی گئی تھیں جو اسلام لانے کے بعد کہی جا رہی ہیں۔

اسی دوران میں رسول اللہ صلیم پر نزول وحی کی حالت طاری ہوئی۔ آپ نے اپنے آپ کو ایک کپڑے میں لپیٹ لیا اور میں نے آپ کے سر کے نیچے چمڑے کا ایک ٹکڑیہ رکھ دیا۔ محفوظی دیر میں وہ حالت جاتی رہی۔ آپ ہنس رہے تھے، اور موتیوں کی مانند پسینے کے قطرے آپ کے چہرے سے گزر رہے تھے آپ نے انہیں پونچھا اور پہلی بات منہ سے یہ نکالی۔

عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے تمہاری بریت نازل فرمادی ہے۔“  
والدہ نے یہ سن کر مجھ سے کہا۔ ”کھڑی ہو جاؤ اور رسول اللہ صلیم کا شکریہ  
ادا کرو۔“ میں نے جواب دیا۔ ”میں نہ کھڑی ہوں گی اور نہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی  
کا شکریہ ادا کروں گی حضورؐ نے میری قمیض پکڑنی چاہی مگر میں نے ایسا نہ  
کرنے دیا۔ یہ دیکھ میرے والد جوتی لے کر مجھے مارنے کو اٹھے لیکن حضورؐ  
نے انہیں روک دیا اور مسکرانے لگے۔

حضورؐ نے بھی یہ ایام سخت قلق اور اضطراب کی حالت میں گزارے۔  
حضورؐ کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ کیا کرنا چاہیے۔ آپ نے صحابہؓ سے اس کے متعلق  
مشورہ کیا۔ حضرت عمرؓ نے نہایت دلیری سے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! عائشہ  
کی شادی آپ سے کس نے کرائی تھی؟ حضورؐ نے جواب دیا۔ ”اللہ تعالیٰ نے“  
حضرت عمرؓ کہنے لگے۔ ”تو پھر یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ عائشہؓ کے بارے

میں آپ سے نعوذ باللہ دھوکا کرے۔ خدا کی قسم! یہ سب افترا ہے اور ایک عظیم بہتان  
ہے جو عائشہؓ پر لگایا جا رہا ہے۔“ حضرت عمرؓ کے بعد آپ نے حضرت علیؓ  
اور حضرت اسامہؓ کو بلایا اور عائشہؓ سے علیحدگی اختیار کرنے کے بارے میں  
ان کی رائے دریافت فرمائی۔ اسامہ بن زیدؓ نے کہا۔ ”یا رسول اللہ! وہ آپ کی  
بیوی ہیں، آپ کو اختیار ہے لیکن ہمارا علم تو یہی ہے کہ وہ نیک اور پارسا ہیں  
ہمیں تو ان میں کوئی برائی نظر نہیں آتی۔ حضرت علیؓ نے کہنے لگے۔ ”یا رسول اللہ! اللہ  
تعالیٰ نے آپ پر کسی قسم کی تنگی وارد نہیں کی۔ عائشہؓ کے علاوہ اور بھی بہت  
عورتیں ہیں جن سے آپ نکاح کر سکتے ہیں، ہاں اگر آپ حقیقی بات دریافت کرنا  
چاہیں تو لوٹدی (بربرہ) سے دریافت کریں وہ آپ کو تمام احوال سے آگاہ کر دیگی۔“

حضور نے بریرہ کو بلایا اور ان سے پوچھا: "سے بریرہ! کیا تمہیں اپنی مالک کی کسی برائی کا علم ہے؟" انہوں نے جواب دیا: "یا رسول اللہ! اس ذات کی قسم! جس نے آپ کو حق و صداقت کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے، میں نے آج تک عائشہ رضہ میں کسی قسم کا عیب نہیں دیکھا سوائے اس کے کہ وہ نوعمر لڑکی ہیں، اٹنا کھلا چھوڑ کر سو جاتی ہیں۔ بکری اتنی ہے اور کھا جاتی ہے مگر انہیں تپہ نہیں چلتا!"

حضور نے عائشہ رضہ کے بارے میں زینب بنت جحش کی رائے بھی دریافت فرمائی۔ جو عائشہ رضہ کے بعد حضور کی سب سے محبوب بیوی تھیں۔ انہوں نے جواب دیا: "میں وہی کہوں گی جو میرے کانوں نے سنا اور آنکھوں نے دیکھا۔ میں تو عائشہ رضہ کو بالکل نیک سمجھتی ہوں!"

حضور کو منافقین کی اس فتنہ پر دازی سے تکلیف ہو رہی تھی۔ آخر ایک دن آپ منبر پر چڑھے اور فرمایا:

"ان لوگوں کو کیا ہو گیا ہے جو میرے اہل و عیال پر چھوٹے الزامات لگا کر مجھے تکلیف دے رہے ہیں۔ وہ ایک ایسے آدمی کو مستہم گردانتے ہیں جو پاک سیرت ہے میری غیر حاضری میں کبھی میرے گھر میں داخل نہیں ہوا۔ اور سفر کے موقع پر ہمیشہ میرے ساتھ رہا۔"

حضور کی یہ بات سن کر قبیلہ اوس کے ایک سرکردہ فرد اسید بن حنیر نے کھڑے ہو کر عرض کیا:

"یا رسول اللہ! اگر ایسے لوگ قبیلہ اوس سے تباہ رکھتے ہیں تو ہم خود انہیں منرا دینے کے لئے کافی ہیں اور اگر وہ ہمارے بھائی خزر ج میں سے ہیں تو ان کے متعلق آپ ہمیں جو حکم دیں گے ہم اس کی تعمیل کریں گے۔ ہمارے خیال میں تو وہ اس بات کے مستحق ہیں کہ ان کی گردنیں اڑا دی جائیں!"

اس پر قبیلہ خزرج کے رئیس سعد بن عبادہ اچھل کر کھڑے ہو گئے اور چیخ کر کہنے لگے۔

”ابن حضیر! تم جھوٹ بولتے ہو۔ تم ہرگز ان لوگوں کی گردنیں نہیں مار سکتے۔ یہ بات تم نے اس لئے کہی ہے کہ ایسے لوگ خزرج سے تعلق رکھتے ہیں۔ اگر تمہارے قبیلے اوس سے ان کا تعلق ہوتا تب تم کبھی ایسی بات نہ کہتے۔“

یہ سن کر اوس اور خزرج کے لوگوں میں توڑ توڑیں میں ہونے لگی۔ قریب تھا کہ لڑائی ہونے لگتی لیکن حضورؐ نے فریقین کو سمجھا بھجا کر ٹھنڈا کر دیا اور لوگ اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے۔

واقعہ انک کے متعلق جو روایات کتب احادیث میں مروی ہیں اور غیر مسلموں نے اس سلسلہ میں جو کچھ لکھا ہے ہم نے اس کا خلاصہ قارئین کے سامنے پیش کر دیا ہے۔ اسے پڑھ کر وہ خود اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اس بہتان کی کیا حیثیت تھی حقیقت یہ ہے کہ اس اتہام کے ذریعے صرف حضورؐ کو بدنام کرنا اور مسلمانوں کے درمیان تفرقہ ڈلوانا مقصود تھا، ورنہ یہ کہانی اتنی لغو، بیہودہ، بعید از عقل اور از منتر پاپا کذب و افترا کا مجموعہ تھی کہ اس پر معمولی عقل و خرد کا اتنا بھی یقین نہیں کر سکتا تھا۔ کجا یہ صحابہ کرام جیسی عظیم الشان شخصیتیں یقین کر لیتیں حقیقت اس سے زیادہ نہ تھی کہ حضرت عائشہؓ سفر کے دوران میں اتفاق سے پیچھے رہ گئیں اور وہ بھی اس لئے کہ شکر اچانک روانہ ہو گیا تھا۔ اور سفر کے دوران میں ایسی حالتوں کا پیش آنا قطعاً بعید نہیں ہے۔ اگر محض اس وجہ سے شک و شبہ کی بنیاد قائم کر لی جائے تو پھر ہر اس عورت پر اتہام لگانا آسان ہے جو کسی وجہ سے سفر کے



دوران میں پیچھے رہ جائے۔ اگر ایسا ہونے لگے تو پھر کسی بھی عورت کی عزت محفوظ نہیں رہ سکتی، اور خبیث الفطرت لوگ اپنے مخالفین سے بدلہ لینے کے لئے اس کی عزت و حرمت کو باسانی خاک میں ملا سکتے ہیں۔

جو لوگ اس قسم کی واہیات باتوں کا یقین کر لیتے ہیں انہیں چاہیے کہ وہ اپنی عقل کو کام میں لائیں اس قسم کے الزامات پر آنکھیں بند کر کے یقین کر لینا درست نہیں جب تک شواہد اور دلائل سے الزام کامل طور پر ثابت نہ ہو جائے اس وقت تک اس کے متعلق ایک حرف بھی زبان پر لانا معصیت کبیرہ میں داخل ہے۔ اگر منافقین کے الزام میں ذرا بھی صداقت ہوتی تو کوئی نہ کوئی قرینہ ایسا موجود ہونا چاہیے تھا جس سے اس الزام کی صحت کا یقین کیا جاسکتا۔ لیکن ہزار کوشش کے باوجود وہ کوئی کمزور دلیل بھی اپنے ثبوت میں پیش نہ کر سکے۔

ہم ان غیر مسلموں سے بھی، جو اس واقعہ کے باعث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر زبان طعن دراز کرتے ہیں، واشکاف الفاظ میں کہتے ہیں کہ اگر وہ اس واقعہ کو صحیح سمجھتے ہیں تو انہیں یہ ثابت کرنا ہوگا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور صفوان رضی اللہ عنہ دونوں نعوذ باللہ اخلاق اور ایمان سے عاری اور حضورؐ کی پیش کردہ تعلیمات کے منکر اور ان سے انحراف کرنے والے تھے۔ لیکن اس حقیقت میں کسے شبہ ہو سکتا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور صفوان رضی اللہ عنہ ایمان اور ایقان کے بلند ترین مقام پر تھے۔ اور ذہن کے کسی گوشے میں بھی یہ بات نہیں آ سکتی کہ ان سے اس قسم کی حرکت کا صدور ممکن ہو سکتا ہے۔

صفوان رضی اللہ عنہ ایک غیر مسلمان تھے اور حضورؐ اور اسلام کی ہتک کو کسی صورت میں برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ انہوں نے اپنی غیرت ایمانی کا پہلا ثبوت

اس وقت دیا جب غزوہ بنو مصطلق سے واپسی پر ایک چٹے سے پانی لینے کے دوران  
 میں مہاجرین اور ابن سلول کے درمیان جھگڑا پیدا ہو گیا۔ اس واقعہ کے نتیجے  
 میں حسان بن ثابت نے صفوان کی ہجو کہی۔ اور اسی کے نتیجے میں ابن سلول  
 نے بہتان طرازی کا ناپاک فتنہ پھیلا یا۔ وہ بیشتر غزوات میں شریک ہوئے  
 اور بالآخر شہادت کا رتبہ حاصل کیا۔ کتب احادیث میں ایک بھی روایت  
 ایسی نہیں پائی جاتی جس سے ان کے متعلق ذمہ کا پہلو نکلتا ہو۔ ایسے نیک اور  
 پارسا انسان پر تہمت لگانا ایسے ہی لوگوں کا کام تھا جن کے دلوں سے اللہ  
 تعالیٰ کا ڈر بالکل اٹھ چکا تھا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے متعلق تو کوئی شقی القلب انسان ہی یہ کہہ سکتا ہے کہ  
 ان کا دل نور ایمان سے خالی تھا۔ حضورؐ سے ان کا عشق انتہا کو پہنچا ہوا تھا۔  
 اور حضورؐ کے منہ سے نکلے ہوئے ایک ایک لفظ پر وہ کامل ایمان رکھتی تھیں  
 حضورؐ کے بعد انہیں مسلمانوں کی عملی سیاست میں حصہ لینے اور خونریز جنگوں  
 میں شریک ہونے کا موقع ملا۔ اگر انہیں نعوذ باللہ حضورؐ کی باتوں پر لیتیں  
 اور ایمان نہ ہوتا تو وہ اپنے مخالفین کو زیر کرنے کے لئے باسانی ایسی حدیثیں  
 وضع کر لیتیں جن سے ان مخالفین کی تنقیص مطلوب ہوتی، لیکن تاریخ شاہد ہے  
 کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کبھی ایسا نہیں کیا اور ایک بھی جھوٹی حدیث لوگوں کے  
 سامنے بیان نہیں کی۔ کیا یہ ایمان کامل اور تقوے و طہارت کا ثبوت نہیں؟  
 اور کیا اس سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو یقین تھا کہ حضورؐ سے  
 جھوٹی احادیث منسوب کرنے والا اپنے مخالفین کے مقابلے میں کبھی کامیاب  
 کامران نہیں ہو سکتا۔

جنگِ جمل کا واقعہ کسے یاد نہیں جو حضورؐ کی وفات کے تیس سال بعد

و قوع پذیر ہوئی تھی۔ وہ اپنی فوج کے ہمراہ کوچ کر رہی تھیں کہ راستے میں ایک چشمے کے قریب لشکر پر کتے بھونکنے لگے حضرت عائشہؓ نے پوچھا۔ یہ کون سا چشمہ ہے۔ راہبر نے جواب دیا۔ یہ حوآب کا چشمہ ہے۔ یہ سنتے ہی ان پر کچھ عرصے کے لئے سکتہ کی حالت طاری ہو گئی۔ انہوں نے بلند آواز سے انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا، فوراً اپنے اونٹ کو بٹھالیا اور آگے بڑھنے سے انکار کر دیا۔ جب لوگوں نے اس کی وجہ پوچھی تو کہا:

ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ازواج مطہرات کے درمیان تشریف فرما تھے۔ آپ نے فرمایا:

”نہ جانے تم میں سے کس پر حوآب کے کتے بھونکیں گے؟“

یہ حدیث سنا کر بے چینی کے عالم میں کہا:

مجھے لوٹا دو۔ مجھے لوٹا دو کیونکہ میں ہی حضورؐ کی وہ بیوی ہوں جس پر

حوآب کے کتے بھونکتے ہیں۔“

ایک دن رات لشکر اسی جگہ ٹرا رہا۔ حضرت عائشہؓ واپسی پر مصر تھیں لیکن آپ کے ساتھیوں نے انہیں اٹھا کر راہبر کو غلطی لگی ہے۔ اس چشمے کا نام حوآب نہیں ہے۔ ان کے بھانجے عبداللہ بن زبیرؓ انہیں بار بار تسلی دیتے تھے لیکن حضرت عائشہؓ ہر حالت میں مکہ واپس جانا چاہتی تھیں۔ آخر آپ کے ساتھیوں نے لشکر کے بعض لوگوں کو سکھا پڑھا کر آپ کے خمیے کی طرف بھیج دیا اور انہوں نے چیخ چیخ کر کہنا شروع کیا۔

”لوگو! اپنے بچاؤ کا سامان کر لو، علی ابن ابی طالب کا لشکر قریب پہنچ چکا

ہے اور تم پر حملہ کرنے والا ہے۔“

یہ سن کر حضرت عائشہؓ کو خیال ہوا کہ کہیں واقعی رہبر غلط تو نہیں کہتا۔

ہو سکتا ہے کہ یہ مقام حوآب کے علاوہ کوئی اور ہو چنانچہ انہوں نے اپنے لشکر کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لشکر کی طرف کوچ کرنے کا حکم دے دیا۔

قابل غور امر یہ ہے کہ حوآب والی بات حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور ان کی سوتلوں کے علاوہ اور کسی نے نہیں سنی تھی۔ آپ کے لشکر میں ایک بھی ایسا شخص نہ تھا جس سے بات کا علم ہو۔ اگر وہ چاہتیں تو اس بات کو اپنے دل میں پوشیدہ رکھ سکتی تھیں لیکن ان کی غیرت ایمانی نے یہ گوارا نہ کیا کہ وہ حضور کی ایک پیش گوئی کو لوگوں سے پوشیدہ رکھیں گو یہ پیش گوئی خود ان کے متعلق تھی لیکن انہوں نے اس کا برملا اظہار کر دیا۔ اس صورت میں یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ وہ خود حضور سے بدعہدی کرتیں اور آپ کی امانت میں خیانت کی مرتکب ہوتیں کیا ایسی صورت میں انہیں اس بات کا خوف نہ ہوتا کہ اللہ تعالیٰ وحی کے ذریعے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام حالات سے مطلع کر دے گا اور ان کی نحریت چھپ نہ سکے گی۔

مزید برآں یہ بات بھی دیکھنے کی ہے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی بیٹی تھیں۔ وہ اس عظیم القدر انسان کی بیٹی تھیں جس کے خاندان پر زمانہ جاہلیت میں بھی اس قسم کی تہمت نہ لگی تھی کجا یہ کہ زمانہ اسلام میں خود ان کی سگی بیٹی سے ایسا مذموم فعل صادر ہوتا۔

ان قوی دلائل کے باوجود، اگر پھر بھی کوئی بد نصیب اس الزام کی صحت پر اصرار کرتا ہے تو اس کو ٹھنڈے دل سے غور کرنا چاہیے کہ آخر صفوان کے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ مزعومہ تعلقات کب پیدا ہوئے؟ کیا اس رات جب یہ واقعہ پیش آیا۔ اس صورت میں غور کرنے کا مقام ہے کہ آخر صفوان کو ایسی جرأت کس طرح ہو سکتی تھی جبکہ ام المومنین کے رعب و داب کا یہ عالم تھا کہ ہووچ والے آواز

دے کر یہ معلوم کرنے کی بھی جرأت نہ کر سکتے تھے کہ ام المومنین اندر ہیں یا نہیں۔  
 آخر صفوان کے دل میں یہ خیال کیسے آسکتا تھا کہ ام المومنین اپنے محبوب خاوند کی  
 امانت میں خیانت کی ترکیب ہوں گی۔ پھر اگر صفوان نے اپنی ہوس رانی سے مغلوب  
 ہو کر ایسی جرأت کر بھی لی تھی تو رسول اللہ کی بیوی اور صدیق کی بیٹی کے متعلق یہ  
 کس طرح باور کیا جاسکتا ہے کہ وہ نعوذ باللہ ایک ایسے شخص کی ہوس رانی کا شکار  
 بننے کے لئے تیار ہو گئی جس کے ساتھ اس کا کوئی تعلق نہ تھا جو اتفاقاً اس کے  
 پاس پہنچ گیا تھا۔

اگر یہ مزعومہ تعلقات دیر سے تھے تو آخر سوکنوں، منافقوں اور حاسدین  
 کی نظروں سے اتنا عرصہ کس طرح پوشیدہ رہے اور صورت میں ان دونوں کے  
 لئے کیا یہی راہ باقی رہ گئی تھی کہ وہ سفر کے دوران میں ایک دوسرے سے  
 ملتے اور عین دوپہر کے وقت لشکر میں داخل ہوتے۔

ان دلائل کے ذکر کرنے کے بعد ہم پھر اسی بات کو دہراتے ہیں کہ یہ الزام  
 اس قدر بیہودہ، لغو اور بعید از عقل ہے کہ منافقین موجودہ زمانے کے منعصب  
 پادریوں اور ایسے غیر مسلم مورخین کے سوا جنہیں اسلام اور بانی اسلام سے لڑھی  
 بغض ہے، اور کوئی خرد مند انسان ایک لمحہ کے لئے بھی اس پر یقین نہیں کر سکتا۔  
 پادریوں، عیسائی مورخین اور مستشرقین کا حضرت عائشہؓ پر اعتراض کرنا  
 اور بھی زیادہ تعجب خیز ہے کیونکہ وہ بھی مریمؑ اور مسیحؑ پر ایمان رکھتے ہیں۔ اور  
 ہر شخص کو معلوم ہے کہ حضرت مریمؑ پر بھی اسی قسم کا بہتان لگ چکا ہے جیسا کہ  
 حضرت عائشہؓ پر لگا تھا۔

واقعہ اتنا پر مفصل بحث ہم نے اس لئے کی ہے کہ حضرت عائشہؓ کی زندگی

کایہ واقعہ تاریخ اسلام میں زبردست اہمیت کا حامل ہے۔ اس واقعہ نے آپ کے دل پر وہ اثر ڈالا جو تمام عمر دور نہ ہو سکا۔ بعد میں جو واقعات و حوادث پیش آئے ان میں بھی اس واقعہ کا اثر کسی حد تک کارفرما نظر آتا ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو کوئی مؤرخ اس پر سنجیدگی سے بھی نظر نہ ڈالتا۔ کیونکہ یہ الزام اس قابل ہی نہیں کہ کوئی سنجیدہ اور باشعور انسان اس پر ایک لمحہ کے لئے بھی یقین کر سکے۔

---

## بیوگی کا زمانہ

رسول اللہ صلعم کے بعد حضرت عائشہؓ چھپالیس برس زندہ رہیں اور ستر سال کی عمر میں شہدہ میں فوت ہوئیں۔

حضورؐ انہی کے حجرے میں، ان ہی کی باری والے دن اور عین اس جگہ دفن ہوئے جہاں آپ نے وفات پائی تھی۔

مرض کی شدت کے پیش نظر اکثر لوگوں کو یہ علم ہو چکا تھا کہ یہ حضورؐ کی آخری بیماری ہے لیکن وفات سے کچھ عرصہ قبل حضورؐ کی طبیعت کسی حد تک سنبھل گئی تھی، چنانچہ حضرت ابو بکرؓ اجازت لے کر اپنے گھر واقع صنع چلے گئے اور دیگر مسلمان بھی مطمئن ہو کر اپنے اپنے کاموں میں مصروف ہو گئے۔ تھوڑی دیر پہلے کسی کوسان گمان بھی نہ تھا کہ حضورؐ اس قدر جلد وفات پا جائیں گے۔

آپ کی وفات کا ذکر کرتے ہوئے حضرت عائشہؓ کہتی ہیں :  
 ”میں رسول اللہ صلعم کو سنبھالے بیٹھی تھی کہ یکایک مجھے حضورؐ کا جسم بوجھل محسوس ہوا۔ میں نے آپ کے چہرے کی طرف نظر کی تو دیکھا کہ حضورؐ کی آنکھیں پھٹ گئی ہیں۔ وفات کے وقت حضورؐ کی زبان پر یہ الفاظ جاری تھے :“

”بل الرفیق الاعلیٰ من الجنة“ (اب تو بڑا رفیق ہی درکار ہے) یہ سن کر میں نے اپنے دل میں کہا کہ آپؐ تو ہم سے کنارہ کشی ہی اختیار کرنے کا فیصلہ کیا ہے جب مجھے معلوم ہوا کہ حضورؐ وفات پا گئے تو میں نے آہستہ سے آپؐ کا سر تکیہ پر رکھ دیا۔ اس وقت میری زبان سے بے اختیار جرح فزع کے کچھ الفاظ بھی نکل گئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تدفین دور و زنگ نہ ہو سکی کیونکہ اس بات کا فیصلہ نہ ہو سکا تھا کہ آپؐ کے لئے قبر کھودی جائے یا لحد بنائی جائے۔ اہل مکہ میں قبر کھودنے کا رواج تھا اور اہل مدینہ میں لحد بنانے کا۔ دونوں فریق چاہتے تھے کہ حضورؐ کو اپنے طریق پر دفن کریں۔ بالآخر حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب نے ایک آدمی ابو عبیدہ بن جراح کے پاس اور ابو طلحہ کے پاس بھیجا۔

ابو عبیدہ مکہ والوں کے طریق پر قبر کھودتے تھے اور ابو طلحہ اہل مدینہ کی طرح لحد بناتے تھے۔ جو آدمی ابو طلحہ کو لینے کے لئے بھیجا گیا تھا وہ فوراً انہیں اپنے ساتھ لے کر آ گیا۔ لیکن دوسرا آدمی جو ابو عبیدہ کی طرف بھیجا گیا تھا وقت پر نہ پہنچا۔ چنانچہ ابو طلحہ نے مدینہ والوں کے طریق پر لحد بنائی، اور رات کے وقت حضورؐ کے جسم مبارک کو ہمیشہ کے لئے خاک میں چھپا دیا گیا۔ حضرت عائشہؓ اور حضرت فاطمہؓ بیان کرتی ہیں کہ رات کے وقت جب ہمیں کدالوں کے چلنے کی آواز آئی، تب ہم نے سمجھ لیا کہ حضورؐ کو دفن کر دیا گیا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس خاکدانِ فانی سے ملازمِ اعلیٰ کو روانہ ہو گئے لیکن حضرت عائشہؓ نے اپنا وہ حجرہ چھوڑنا ناگوار نہ کیا جہاں انہوں نے اپنی زندگی کے بہترین دن گزارے تھے اور جہاں ان کا محبوب شوہر ابدی نیند



سورہا تھا، جب تک وہ زندہ رہیں حضورؐ کی مجاور بنی رہیں حضورؐ کے بعد ان کے والد حضرت ابو بکر صدیقؓ رضی اللہ عنہ بھی اسی حجرے میں آپ کے پہلو پہ پہلو دفن ہوئے۔ اس دوران میں وہ بے حجابانہ وہاں آتی جاتی تھیں، لیکن تیرہ برس بعد جب حضرت عمرؓ رضی اللہ عنہ بھی اسی حجرے میں اپنے دونوں ساتھیوں کے برابر میں دفن ہوئے تو حضرت عائشہؓ رضی اللہ عنہا نے وہاں بے پردہ آنا چھوڑ دیا۔ جب جاتیں تو نقاب پہن کر جاتیں۔

حضرت عائشہؓ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تقریباً دس سال گزارے اور تقریباً پچاس سال کا عرصہ آپ کی یاد میں بیوگی کی حالت میں بسر کیا۔ اس دوران میں ایک ثانیہ کے لئے بھی ان کے دل میں دوسرا نکاح کرنے کا خیال پیدا نہ ہوا۔ انہیں حضورؐ کی حرمت کا پاس تھا اور جو عہد و وفا انہوں نے آپ سے باندھا تھا اسے توڑنے کا خیال کسی طرح ان کے دل میں پیدا نہ ہو سکتا تھا۔ ان امور کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے بھی سورہ احزاب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کو دوسرا نکاح کرنے کی ممانعت فرمادی تھی۔

بیوگی کا طول طویل زمانہ حضرت عائشہؓ رضی اللہ عنہا نے فراغت کے عالم میں نہیں گذارا۔ ان کی مرثیت ہی اس قسم کی تھی کہ وہ اپنے وقت کو بیکار ضائع نہیں کر سکتی تھیں۔ دس سال کے عرصہ میں انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو علم سیکھا تھا، اب اس سے کام لینے کا وقت آگیا تھا۔ چنانچہ فتنہ ارتداد کے فرو ہونے کے بعد جب مسلمانوں کو کچھ اطمینان نصیب ہوا تو انہوں نے علوم دینیہ کی تحصیل کی طرف توجہ کی۔ چونکہ حضرت عائشہؓ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے براہ راست امور دینیہ کی تعلیم حاصل کی تھی اور ان سے بڑا مجتہد اور فقیہ اس

زمانے میں اور کوئی نہ تھا اس لئے ان کی ذات مزج خلافت بن گئی۔ ذہنی مسائل دریافت کرنے والوں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث سننے والوں کا ہر وقت تانتا بندھا رہتا تھا۔ اس طرح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے شب و روز لوگوں کا علوم ذہنیہ سے آگاہ کرنے اور حضور کی احادیث سنانے میں صرف ہونے لگے۔ اس مفید اور ضروری کام سے جو وقت بچتا وہ آپ تسبیح و تحمید اور عبادت و ریاضت میں گزار دیتیں۔

یہ امر قابل ذکر ہے کہ حضور کی وفات کے بعد حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا زمانہ خلافت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بالکل اسی طرح گزارا جس طرح حضور کے زمانے میں گزارا کرتی تھیں۔ ان دونوں خلفاء کے عہد میں ان کے مرتبے میں ذرا فرق نہ آیا اور کسی بھی سیاسی یا ملکی کام میں انہیں دخل دینے کی ضرورت پیش نہ آئی۔ لیکن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد میں حالات نے مختلف صورت اختیار کر لی اور حالات کے اس تغیر نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے معمولات میں بھی تغیر پیدا کر دیا۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے عہد میں سیاست کی بنیاد سراسر احکام دین پر تھی اور آپ اور آپ کے ساتھی احکام دین سے سرمو تجاوز نہ کرتے تھے۔ اس کے علاوہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے والد تھے اس لئے انہیں سیاسی امور میں دخل اندازی کی کوئی ضرورت نہ تھی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں اگرچہ سیاست کی گرم بازاری نے وسعت اختیار کر لی تھی تاہم حالات خواہ کیسی بھی صورت اختیار کرتے لیکن ان کے بگڑنے کا خطرہ نہ تھا کیونکہ لوگوں کے دلوں پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ہیبت طاری تھی، اور وہ آپ کے آگے چوں بھی نہ کر سکتے تھے۔ اس کے علاوہ سب سے بڑی بات

یہ تھی کہ ان کے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے تعلقات نہایت خوشگوار تھے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی دوستی نے ان کی اولاد پر بھی گہرا اثر ڈالا تھا۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے باوجود ایک دوسرے سے بہنوں کی طرح محبت کرتی تھیں۔ واقعہ انک کے موقعہ پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جو رویہ اختیار کیا تھا اس کی وجہ سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی بے حد ممنون تھیں۔ چنانچہ جب حضور نے اس بارے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے دریافت فرمائی تو انہوں نے جواب دیا:

”یا رسول اللہ! آپ دونوں کی شادی اللہ تعالیٰ نے کرائی ہے۔ یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نعوذ باللہ آپ کو دھوکا دیتا اور ایک ایسی عورت سے آپ کی شادی کرا دیتا جو اس کے نزدیک ناپسندیدہ ہوتی۔“

اس کے بعد جب ان کا اپنا زمانہ خلافت آیا تب بھی انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی تعظیم و تکریم میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہ کیا۔ وظائف کی تقسیم میں آپ انہیں مقدم رکھتے تھے اور ان کی ضروریات کا ہر طرح خیال رکھتے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حسن سلوک کا اس قدر اثر تھا کہ ایک مرتبہ انہوں نے دعا مانگی کہ ”یا اللہ! عمر رضی اللہ عنہ کے احسانات مجھ پر اتنے زیادہ ہو گئے ہیں کہ ان کا بدلہ کسی صورت میں ادا نہیں کر سکتی تو آئندہ مجھے ان احسانات کا بوجھ اٹھانے کے لئے زندہ نہ رکھیو!“

پس حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں نہ تو حالات نے ایسا رخ اختیار کیا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو سیاست میں حصہ لینے کی ضرورت پیش آتی اور نہ ان کی روزمرہ کی زندگی میں کسی قسم کا تغیر واقع ہوا جس کے باعث ان کے لئے سیاست میں حصہ لینا ضروری ہو جاتا۔

البتہ حضرت عثمانؓ کے عہد میں حالات یکسر مختلف ہو گئے اور حضرت عائشہؓ کے لئے سیاست میں حصہ لینا ضروری ہو گیا۔ اگر حالات میں تغیر واقع نہ ہوتا تو حضورؐ کے بعد حضرت عائشہؓ کبھی بھی سیاست میں حصہ نہ لیتیں اور اپنی تمام عمر سنتِ نبویؐ اور احکامِ دین کی تعلیم دینے میں گزار دیتیں۔

## ملکی سیاست میں حضرت عائشہؓ کا حصہ

ہم نے پچھلی فصل میں بتایا تھا کہ حضورؐ کی وفات کے بعد حضرت عائشہؓ کا کوئی لمحہ بے کار نہیں گذرا بلکہ وہ برابر امت کی تلقین و تعلیم میں مصروف رہیں۔ اول تو ان کی طبیعت ہی اس قسم کی تھی کہ وہ بیکار بیٹھ ہی نہیں سکتی تھیں اور یہ چیز انہوں نے وراثتاً اپنے محترم والد سے حاصل کی۔ دوسرے ان کی عظیم القدر شخصیت بھی اس امر کی متقاضی تھی کہ حضورؐ کے بعد امت کی تنسیم و تربیت کا کام اپنے ہاتھ میں لیتیں اور حضورؐ کی صحبت میں رہ کر انہوں نے دین کا جو علم حاصل کیا تھا اس سے دوسرے لوگوں کو بھی آگاہ کرتیں اور تاریخ شاہد ہے کہ انہوں نے یہ عظیم دینی فریضہ سچے خوش اسلوبی سے ادا کیا۔

حضرت عائشہؓ کو اللہ تعالیٰ نے جس بلند مرتبہ پر پہنچا دیا تھا اس کا تقاضا یہ بھی تھا کہ امت کے لوگوں میں ان کی وہی قدر و منزلت ہوتی جس کی وہ مستحق تھیں۔ وہ حضورؐ کی سب سے محبوب بیوی اور ام المومنین تھیں۔ اس لحاظ سے ان کا مرتبہ عرب کے معزز ترین خاندان کے افراد سے بھی بلند تر تھا اور ان کا ادب و احترام ہر مسلمان پر فرض تھا۔

اگر اربابِ حل و عقد اس حقیقت کو اپنے پیش نظر رکھتے اور ان کے دلوں میں حضرت عائشہؓ کا وہی ادب و احترام ہوتا جس کی ام المؤمنین قرار واقعی مستحق تھیں تو نہ صرف یہ کہ لوگوں کو اس ہستی سے فیضیاب ہونے کا موقع ملتا رہتا جس کے سینے میں اسرارِ نبوت پنہاں تھے اور جو مخزنِ علم نبوی تھی بلکہ وہ ناگوار واقعات بھی پیش نہ آتے جن کے باعث مسلمانوں کے درمیان تفرقہ کی ایک ناقابلِ عبور خلیج حائل ہو گئی۔

سیاست کا ایک زریں اصول یہ ہے کہ قوم کو اپنے محسنوں، بے لوث خادموں، اور بے غرض راہبروں کی قرار واقعی تعظیم و تکریم کرنی چاہیے اور رعایا کے کسی فرد اور حکومت کے کسی رکن کی جانب سے کوئی ایسی حرکت سرزد نہ ہونی چاہیے جس سے اس قابلِ احترام ہستی کی تعقیص، اور تذلیل ہوتی ہو کیونکہ بے لوث کارکنوں کی ذلت ان کی نہیں، دراصل پوری قوم کی ذلت ہوتی ہے۔

سیاست کا یہی اصول یہاں بھی چسپاں ہوتا ہے۔ دانشمندی اور ہوشیاری کا تقاضا یہ تھا کہ کسی جانب سے بھی حضرت عائشہؓ کی توقیر اور احترام میں فرق نہ آنا چاہیے تھا۔ وہ بدستور علم کے خزانے لوگوں کے سامنے لٹاتی رہیں اور دستورِ اسلامی کی ترتیب میں اربابِ حل و عقد کا ہاتھ بٹاتیں لیکن افسوس ایسا نہ ہو سکا۔ شیخین کے زمانے تک حضرت عائشہؓ کے رتبہ میں کوئی فرق نہ آیا لیکن بعد میں حالات پلٹ گئے اور ان کی زندگی ایک نئے دور میں داخل ہو گئی۔

حضرت عثمانؓ کے عمال کی بے تدبیری اور کم سوادگی کے باعث حضرت عائشہؓ کو بہت سی مشکلات اور مصائب میں سے گزرنا پڑا۔ سب سے پہلا کام تو انہوں نے یہ کیا کہ اس وظیفہ میں کمی کر دی جو حضرت عمرؓ کے زمانے میں انہیں ملا کرتا تھا۔ معلوم

ایسا کرنے میں انہوں نے کیا مصلحت سمجھی اور حکومت کی ایسی کون سی ضروریات تھیں جو حضرت عائشہؓ کے وظیفہ کی وجہ سے رُک جاتی تھیں۔

اگر خزانہ میں مال و دولت کی کمی ہوتی یا ملکی ضروریات اس امر کی مقتضی ہوتیں کہ وظائف اور عطیات میں کمی کر دی جائے تب ایسا کرنے میں کوئی ہرج نہ تھا اور اس صورت میں حضرت عائشہؓ کو بھی کوئی اعتراض پیدا نہ ہوتا لیکن معاملہ اس کے برعکس تھا۔ خزانہ درہم و دینار سے پُر تھا اور ہر چہار جانب سے مال و دولت کے انبار چلے آ رہے تھے۔ ڈھائی لاکھ دینار سالانہ صرف افریقہ سے وصول ہوتے تھے۔ اسی رقم سے دیگر علاقوں کے خراج کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

ایسی صورت میں جبکہ خزانہ مال و دولت سے بھر پور ہوا اور سلطنت کی آمدنی میں بے پناہ اضافہ ہو، اگر بغیر وجہ بتائے کسی کے وظیفہ سے کمی کر دی جائے تو اسے رنج ہونا لازمی ہے چنانچہ حضرت عائشہؓ کو بھی بالطبع اس کا رنج تھا۔ اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ حضرت عائشہؓ کو مال و دولت کی حرص تھی۔ انہوں نے نہ کبھی مال و دولت جمع کیا اور نہ اس کی کوئی حقیقت سمجھی۔ بسا اوقات ایسا ہوتا کہ ان کے پاس ماہانہ وظیفہ آتا اور وہ اسی وقت اسے اللہ کے راستے میں خرچ کر دیتیں اور اپنے لئے کچھ بچا کر نہ رکھتیں۔

مال و دولت کی محبت سے ان کا دل اس قدر سرد تھا کہ وہ نہ صرف خود مال جمع کرنے سے پرہیز کرتیں بلکہ صحابہؓ کو بھی نصیحت کرتی رہتی تھیں کہ خواہ تجارت یا دراشت کے ذریعہ وہ کتنے ہی مال دار کیوں نہ ہو جائیں لیکن مال و دولت جمع کرنے سے احتراز کریں۔ چنانچہ ایک مرتبہ حضورؐ کے ایک جلیل القدر صحابی حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ کا ایک بہت بڑا تجارتی قافلہ مدینہ آیا۔ اس قافلہ میں سات سو اونٹ تھے

جن پرگندم، آٹا اور کھانے پینے کی اشیاء لدی ہوئی تھیں حضرت عبدالرحمن بن عوف کا خیال تھا کہ اسے بیچ کر نفع حاصل کریں لیکن حضرت عائشہؓ کو معلوم ہوا تو انہوں نے انہیں بلا کر خفگی کا اظہار کیا اور عبدالرحمن نے فوراً اس تمام سامان کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں لٹا دینے کا اعلان کر دیا۔

پس حضرت عائشہؓ کی ناراضی کا سبب یہ نہ تھا کہ انہیں مال کی طمع اور دولت جمع کرنے کی حرص تھی بلکہ آپ کو رنج تھا تو یہ کہ زوجہ رسول اللہ اور ام المؤمنین ہونے کے لحاظ سے جو قدر و منزلت آپ کی ہونی چاہیے تھی اس میں بلا وجہ کمی آگئی ہے۔

ادھر ملک کے طول و عرض میں حضرت عثمانؓ کے مقرر کردہ والیوں کے خلاف نفرت کا ایک بے پناہ جذبہ پھیل رہا تھا بعض کے متعلق یہ شکایت تھی کہ انہیں دین سے ذرا بھی مس نہیں، اور بعض کے متعلق یہ کہا جا رہا تھا کہ ان کی ساری توجہ محض اپنے عیش و آرام کی طرف ہے اور رعایا کی فلاح و بہبود کا انہیں مطلق خیال نہیں۔ لوگ اپنے اپنے علاقوں کے والیوں کی شکایتیں لے کر مدینہ آتے اور خلیفہ کے علاوہ صحابہ کرام کے سامنے بھی اپنی تکالیف کا اظہار کرتے چونکہ حضرت عائشہؓ مدینہ کی معزز ترین شخصیت تھیں اس لئے وہ لوگ آپ کے پاس بھی آتے اور اپنے والیوں کی شکایات بیان کرتے۔

بعض روایات میں مذکور ہے کہ ایک مرتبہ لوگ حضرت عثمانؓ کے سوتیلے بھائی ولید بن عقبہ کی شکایت لے کر دربار خلافت میں حاضر ہوئے۔ ان لوگوں کی شکایت یہ تھی کہ ولید نے ایک مرتبہ شراب کے نشے میں لوگوں کو صبح کی نماز پڑھادی اور نماز کے بعد ان سے کہنے لگا: "اگر چاہو تو میں زیادہ رکعتیں بھی پڑھا سکتا ہوں کیونکہ آج



میری حالت بہت نشاط انگیز ہے؛ لیکن حضرت عثمانؓ کے مصاحبین اور صلاح کاروں نے ولید کے متعلق ان الزامات کو درست تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور کہا تمہاری یہ عادت بن گئی ہے کہ جب تم میں سے کوئی شخص اپنے حاکم سے ناراض ہوتا ہے تو جھٹ اس پر کوئی تہمت دھرو دیتا ہے۔" یہ کہہ کر ان لوگوں کو وہاں سے نکال دیا۔ وہ لوگ وہاں سے حضرت عائشہؓ کے پاس آئے اور سارا ماجرا انہیں سنایا۔ انہوں نے انہیں تسلی بخشی دی اور اپنے گھر کے ایک حصے میں انہیں ٹھہرنے کیلئے جگہ بھی دیدی۔ صبح کے وقت جب حضرت عثمانؓ مسجد میں تشریف لائے تو انہوں نے حضرت عائشہؓ کے گھر میں ان لوگوں کو بہت تند و تیز باتیں کرتے سنا۔ انہیں مسجد طیش آیا اور کہا: عراق کے بے دین اور فاسق و فاجر لوگوں کو عائشہؓ کے گھر کے علاوہ اور کہیں پناہ نہیں ملتی۔ حضرت عائشہؓ نے بھی ترکی بہ ترکی جواب دیا اور کہا: "عثمان! تم نے رسول اللہ ﷺ کی سنت کو ترک کر دیا۔" جب لوگوں نے یہ شور و غوغا سنا تو انہوں نے مسجد کا رخ کیا اور تھوڑی ہی دیر میں تمام مسجد بھر گئی بعض لوگ کہنے لگے حضرت عائشہؓ نے جو کیا ٹھیک کیا؛ لیکن بعض لوگوں کی یہ رائے تھی

یہ روایت اس شخص کے متعلق بیان کی جا رہی ہے جس کی نرم دلی اور عفو و درگزر کی پالیسی سے ناجائز فائدہ اٹھا کر مفسدین اور فتنہ پردازوں نے ایک عظیم بغاوت کھڑی کر دی اور خلیفۃ المسلمین کو بھی شہید کرنے سے دریغ نہ کیا۔ حضرت عثمانؓ تو وہ شخص تھے جنہوں نے جان دینا گوارا کر لی لیکن اپنی حمایت میں کسی شخص کو ہتھیار تک اٹھانے کی اجازت نہ دی۔ یہ واقعات تاریخ کا ایک کھلا ورق ہیں ان کی موجودگی میں یہ کیسے باور کیا جاسکتا ہے کہ اس موقع پر وہ اتنے مغلوب الغضب ہو گئے کہ انہوں نے حضرت عائشہؓ کی شان میں اتنے نازیبا الفاظ کہنے سے بھی دریغ نہ کیا جن سے نہ صرف حضرت عائشہؓ کی حد درجہ توہین ہوتی تھی بلکہ خود ان کی سخت بدنامی بھی۔ (مترجم)

کہ عورتوں کو ان معاملات میں دخل دینا نہیں چاہیے، اس بحث و مباحثہ نے اتنی شدت اختیار کر لی کہ آپس میں تلخ کلامی تک نوبت پہنچ گئی آخر چند صحابہ حضرت عثمان کے پاس گئے اور انہوں نے زور دیا کہ وہ اپنے بھائی ولید کو معزول کر دیں ورنہ فتنہ بڑھ جائے گی۔

اہل عراق کی طرح اہل مصر بھی اپنے عامل عبداللہ بن ابی سرح کی شکایتیں لیکر مدینہ آئے اور انہوں نے خلیفہ سے عرض کیا کہ عبداللہ نے ایک ایسے شخص کو قتل کرا دیا ہے جو آپ کے پاس اس (عبداللہ) کی شکایت لے کر آیا تھا حضرت عثمان کے پاس سے یہ وفد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس گیا اور ان سے اپنی شکایتیں بیان کیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو کہلا بھیجا کہ صحابہ رسول اللہ نے آپ سے ہمت عرض کیا تھا کہ آپ عبداللہ بن ابی سرح کو معزول کر دیں لیکن آپ نے انکار کر دیا۔ اب اس نے ایک بے گناہ آدمی کو قتل کر دیا ہے۔ آپ کو چاہیے کہ ان لوگوں کا انصاف کریں۔

مصر سے آئے ہوئے یہ لوگ نماز کے وقت نمازیوں کے سامنے اپنی شکایتیں پیش کرتے، ام المومنین کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنا دکھڑا روتے اور کبار صحابہ رضی اللہ عنہم کے پاس جا کر اپنے عامل کے حقیقی اور مفروضہ داستانیں مظالم کی سناتے۔ اس طرح مدینے میں ایک ہیجان برپا ہو گیا اور صحابہ رضی اللہ عنہم نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے اصرار کیا کہ وہ عبداللہ بن ابی سرح کو معزول کر کے کسی اور شخص کو مصر کا والی بنا دیں۔ آخر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مصریوں کے مطالبے پر عبداللہ بن ابی سرح کی جگہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بھائی محمد بن ابوبکر کو مصر کا عامل نامزد کر دیا۔ اور پروانہ نامزدگی بھی اسے دیدیا۔ لیکن یہی نامزدگی اس عظیم حادثے کا سبب بن گئی جس کے نتیجے میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کا واقعہ ہائلہ پیش آیا۔

واقعہ اس طرح ہوا کہ جب اہل مصر دین سے واپس جا رہے تھے تو انہیں راستے میں ایک غلام ملا۔ اس کی بعض حرکات سے انہیں شبہ پیدا ہوا اور انہوں نے اسے روک کر اس کی جامہ تلاشی لی۔ تلاشی لینے پر اس کے پاس سے ایک خط برآمد ہوا جس پر مہر خلافت ثبت تھی۔ یہ خط عامل مصر عبداللہ بن ابی سرح کے نام تھا اور اس میں یہ عبارت مرقوم تھی۔

جب محمد بن ابوبکر اور اس کے ساتھی تمہارے پاس پہنچیں تو انہیں قتل کر ڈالنا، اور جو پروانہ نامزدگی اس کے پاس ہے اسے منسوخ سمجھنا اور جب تک دربار خلافت سے تمہارے پاس واضح حکم نہ پہنچے، بدستور اپنے عہدے پر کام کرتے رہنا۔

اس خط کا بھید آج تک صحیح طور پر معلوم نہ ہو سکا۔ اغلب گمان یہ ہے کہ یہ خط مروان بن حکم نے حضرت عثمان کے علم اور ان کی مرضی کے بغیر خود لکھ کر غلام کے ہاتھ عبداللہ کو بھجوا دیا۔

بہر حال اس خط سے تمام صحابہ کبار اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو سخت رنج پہنچا، اور اس دن کے بعد سے فتنہ نے ایسی خطرناک صورت اختیار کر لی جسے فرو کرنا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کے بس کی بات نہ رہی۔

مندرجہ بالا واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد میں نظام حکومت کی ابتری نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے لئے ایسی صورت حال پیدا کر دی تھی

لہٰذا یہ درست نہیں۔ یہ خط فتنہ پردازوں کے ایک بہت بڑے سرغنہ عبداللہ بن سبا کی تراوش طبع کا نتیجہ تھا اور اس کا ہمتی ثبوت یہ ہے کہ وہ اس سے پہلے بھی جعلی خطوط بنا کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے درمیان تفرقہ ڈالنے کی کوشش کر چکا تھا۔ (مترجم)

کہ وہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانوں کی طرح اپنے آپ کو موجودہ سیاست سے ہم آہنگ نہ کر سکیں اور انہیں مجبوراً حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، ان کے والیوں اور حاشیہ برداروں کے خلاف زبان کھولنی پڑی۔ اس صورتِ حال کے پیدا کرنے میں سب سے بڑا حصہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ان نادان مشیروں اور صلاح کاروں کا تھا جنہوں نے دانتہ یا نادانتہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اس مقام سے گرانے کی کوشش کی جو انہیں امت میں حاصل تھا۔ یہی نہیں بلکہ باہر سے جو لوگ شکایتیں لے کر مدینہ آتے تھے، انہیں ترور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس جانے اور اپنی شکایتیں پیش کرنے سے روکا۔ لیکن سب سے بڑی قبیح حرکت انہوں نے اس سلسلہ میں یہ کی کہ بلا سوچے سمجھے ان کے بھائی کی جان لینے کی کوشش کی اور حاکم مصر کے نام اس کے قتل کے احکام جاری کر دیئے۔

ہمیں کامل یقین ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اس وسیع کاری سے بالکل بری تھے۔ کیونکہ وہ نیکی اور پرہیزگاری کے اس بلند مقام پر تھے کہ ان سے کبھی اس قسم کی حرکت سرزد نہ ہو سکتی تھی۔ وہ شخص جو اپنی جان بچانے اور اس عظیم خطرے سے بچنے کے لئے جو اس کے گرد منڈلا رہا تھا خون کا ایک قطرہ گرنے سے پرہیز کرتا ہے اس کے متعلق یہ گمان کس طرح کیا جاسکتا ہے کہ وہ اپنے دوست اور پیارے ساتھی کے بیٹے کے قتل کا حکم دیکتا جب کہ اس کا گناہ بھی اس سے زیادہ نہ تھا کہ اہل مصر نے عبداللہ بن ابی سرح کی بجائے اس کا نام ولایت مصر کے لئے پیش کیا تھا۔

نہ معلوم حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے حاشیہ برداروں نے محمد بن ابو بکر کو قتل کرانے میں کیا مصلحت سمجھی تھی اور ایسا غیر دانشندانہ حکم انہوں نے کس فائدے کی خاطر دیا تھا بہر حال اس سلوک کی موجودگی میں اگر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عمال اور کارندوں سے اپنی بیزاری اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے اپنی آزر دگی کا اظہار کیا ہو تو تعجب

نہیں چنانچہ ایک روایت میں آیا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تقریر کر رہے تھے جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان کی آواز سنی تو ضبط نہ کر سکیں اور حضور کی قمیض ہاتھ میں پکڑ کر کہا:

اے لوگو! یہ حضور کی قمیض ہے لیکن آج تک بوسیدہ نہیں ہوئی لیکن عثمان رضی اللہ عنہ نے آپ کی سنت کو بوسیدہ اور کہنہ کر دیا ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے حاشیہ پرداروں کا سلوک اسی طرح جاری رہا۔ آخر جب پانی حد سے گذر گیا تب انہیں ہوش آیا اور معلوم ہوا کہ اب تک وہ کس ہولناک غلطی کے مرتکب ہوتے رہے تھے۔ لیکن اب پچھتانے سے کیا ہو سکتا تھا۔ جب باغیوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے گھر کا محاصرہ کر لیا اور آپ کے گھر پانی لے جانا بالکل روک دیا تو حضور کی ایک زوجہ محترمہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی شوہر حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا ایک خچر پر پانی کی ایک مشک لے کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے گھر کی طرف روانہ ہوئیں۔ باغیوں نے آپ کو روک لیا اور پوچھا: آپ کہاں جا رہی ہیں؟ انہوں نے جواب دیا: عثمان کے پاس بنو امیہ کے یتیم اور بیواؤں کی بعض امانتیں ہیں۔ مجھے ڈر ہے کہ کہیں وہ ضائع نہ ہو جائیں۔ میں ان کے متعلق دریافت کرنے جا رہی ہوں۔ یہ سن کر باغیوں نے کہا: تم جھوٹ بولتی ہو (نعوذ باللہ) یہ کہہ کر انہوں نے تلوار سے خچر کی رسی کاٹ دی۔ قریب تھا کہ وہ خچر سے گر کر اس کے پاؤں میں روندی جاتیں کہ بعض معزز لوگوں نے دوڑ کر انہیں پکڑ لیا اور ان کے گھر پہنچا دیا۔ اس خطرناک فتنے کے دوران میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے مدینہ میں رہنا مناسب نہ سمجھا۔ انہوں نے حج کی تیاری کی اور اپنے اور اپنے بھائی محمد بن ابوبکر کو بھی اپنے ساتھ لے جانا چاہا۔ لیکن اس نے انکار کر دیا اس لئے وہ مجبوراً اکیلی ہی مدینہ سے مکہ روانہ ہو گئیں۔

لے ٹٹ نوٹ مکہ پر ملاحظہ کریں۔

اس وقت فتنہ کی اصل جڑ۔ مروان بن حکم۔ حضرت عائشہؓ کے پاس آیا اور کہا: "ام المؤمنین! اگر آپ اس وقت مدینہ نہ چھوڑتیں تو مناسب تھا کہ فتنہ بڑھ رہا ہے اور عثمان کی جان خطرے میں ہے۔ اگر آپ یہاں رہیں تو ممکن ہے فتنہ کے سدباب میں کچھ مدد مل سکے۔ لیکن حضرت عائشہؓ نے مدینہ میں ٹھہرنے سے معذوری ظاہر کی اور فرمایا۔

"کیا تم چاہتے ہو کہ مجھ سے بھی وہی سلوک کیا جائے جو ام حبیبہؓ سے کیا گیا۔ ایسی صورت میں مجھے تو کوئی بچانے والا بھی نہ ہوگا۔"

ایک اور روایت میں ہے کہ مروان کو اس نازک وقت میں فیاضی اور سخاوت کا خیال بھی آگیا۔ وہ حضرت عائشہؓ کے پاس گیا اور ان سے مدینہ میں تعلیم دینے کی التجا کی۔ انہوں نے جواب دیا: "میں حج کے لئے جا رہی ہوں اور تمام سامان تیار کر چکی ہوں۔" اس نے کہا: "آپ اس کی فکر نہ کریں حج کی تیاری میں آپ نے جس قدر رقم خرچ کی ہے میں اس سے دگنی رقم آپ کی خدمت میں پیش کر دوں گا۔"

اس روایت کے بموجب حضرت عائشہؓ اس وقت اپنے آپ کو ضبط نہ کر سکیں اور انہوں نے کہا:

"تمہارا یہ خیال کہ میں تمہارے صاحب (حضرت عثمانؓ) کے بارے میں شک میں ہوں۔ خدا کی قسم! میرا تو یہ جی چاہتا ہے کہ اگر مجھ میں طاقت ہو تو میں انہیں اٹھا کر سمندر میں پھینک دوں۔"

لہذا (نوٹ ص ۱۳۳) حضرت عائشہؓ کی اپنے بھائی کو مکہ لے جانے کی کوشش سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ فتنہ کا زور کم کرنے کی کس درجہ خواہش مند تھیں۔ محمد بن ابوبکر کا شمار فتنہ کے سرغنوں میں ہوتا تھا اور اس کے مدینہ سے چلے جانے کا مطلب یہ تھا کہ باغی اپنے ایک سرکردہ رکن کی اعانت سے محروم رہ جاتے۔ (مترجم)

اسی پر پس نہیں بلکہ اسی قسم کی اور بھی بہت سی روایات حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف منسوب کر دی گئی ہیں چنانچہ ایک روایت میں تو یہاں تک آتا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا :

”نقل (حضرت عثمان رضی اللہ عنہ) کو قتل کر ڈالو کیونکہ وہ کفر کا مرتکب ہوا ہے نیز یہ کہ جو شخص بھی ان سے ملتا وہ اسے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں سے کنارہ کشی اختیار کرنے کی ترغیب دیتی تھیں“

لیکن یہ تمام روایات ناقابل اعتماد ہیں۔ زیادہ سے زیادہ جو بات ہو سکتی ہے وہ یہ ہے کہ انہیں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے کارکنوں کے طرز عمل سے شکایت تھی اور بس۔ اس فتنہ کے متعلق حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے جو روایات منسوب کی گئی ہیں وہ اکثر و بیشتر شک و شبہ سے خالی نہیں اور اس کے اسباب مندرجہ ذیل ہیں :

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد میں محمد بن ابوبکر کو مصر کا والی بنا کر بھیجا تھا۔ مصر پہنچنے پر معاویہ کی فوجوں سے جنگ پیش آئی جس میں اسے شکست فاش اٹھانی پڑی اور اسے گرفتار کر لیا گیا۔ بنو امیہ نے پہلے تو اس کے پاؤں پکڑ کر شہر میں گھسیٹا، پھر خوب پیاسا رکھ کر قتل کر دیا۔ اس کے بعد اس کی لاش کو گدھے کی کھال میں سی کر آگ پر رکھ کر بھونا اور اس کی خون آلودہ قمیض حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی بیوی نائلہ کے پاس بھیج دی۔ اس واقعہ کے بعد جب عید آئی تو معاویہ بن خدیج کی بہن نے ایک بھیر کا بچہ ذبح کر کے اس کا گوشت بھونا اور ایک آدمی کے ہاتھ وہ بھنا ہوا گوشت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں روانہ کیا۔ ساتھ ہی یہ پیغام بھی بھیجا کہ آپ کے بھائی کو اسی طرح بھونا گیا تھا۔ اس واقعہ کے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے پھر کبھی بھنا ہوا گوشت نہیں کھایا اور قسم کھالی کہ جب تک زندہ رہیں گی بھنے ہوئے گوشت کو ہاتھ تک نہ لگائیں گی۔

جب مسلمانوں کو محمد بن ابوبکر رضی اللہ عنہما کے ساتھ بنو امیہ کے اس دردناک اور وحشیانہ سلوک کا علم ہوا تھا تو ان کے دل جوش انتقام سے بھر گئے۔ اب ان کا پیمانہ صبر لبریز ہو چکا تھا اور وہ نئے نئے حاکموں کے ہاتھوں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی مزید ذلت برداشت نہ کر سکتے تھے۔ ادھر بنو امیہ کو بھی ہوش آیا اور انہیں محسوس ہوا کہ ان کے بعض بیٹوں اور عقل و خرد سے عاری افراد کی کارستانیوں کے نتیجے میں حالات بگڑ چکے ہیں لیکن بہر حال بزرگوں کی عزت کا سوال تھا۔ انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ عثمان رضی اللہ عنہ کے اہل کاروں کے سلوک کو حق بجانب ٹھہرانے کے لئے یہ مشہور کرنا شروع کیا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف فتنہ پھیلانے میں سب سے بڑا ہاتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا تھا۔ اس غرض کے لئے انہوں نے عجیب و غریب روایات گھڑ کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف منسوب کر دیں جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ موجودہ زمانے کے مؤرخ کے لئے صحیح اور غلط روایات میں تمیز کرنا بے سود و شوار ہو گیا ہے اور ہم نہیں جانتے کہ کون سی روایت مبالغہ سے پاک ہے اور کون سی نہیں ہے۔

صرف بنو امیہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی جانب غلط اور من گھڑت روایات منسوب نہیں کیں بلکہ اس کام میں شدید حضرات بھی ان کے ساتھ ہیں اور بنو امیہ کی طرح انہوں نے بھی جعلی روایات گھڑ کر یہ ثابت کرنا چاہا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے شدید عداوت تھی وہ ہر قیمت پر ان کی حکومت کو ختم کرنا چاہتی تھیں اور فتنہ پھیلانے میں ان کا ہاتھ مصریوں اور عراقیوں سے کسی طرح کم نہ تھا۔

البتہ ان روایات کے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف منسوب کرنے میں دونوں فرقوں

لے مصنف کتاب ہذا کے اس تجزیہ سے ان روایات کی حقیقت معلوم ہو سکتی ہے جو اس سے قبل

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کے تعلقات کے بارے میں بیان ہو چکی ہیں۔ (مترجم)



کی اغراض علیحدہ علیحدہ تھیں۔ نبو امیہ تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا دشمن ثابت کر کے اپنے اس جرم کو دنیا کی نظروں میں ہلکا کرنا چاہتے تھے جو انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بھائی کا مُشکہ کر کے انجام دیا تھا اور جس کے باعث ہر چہار جانب سے ان پر لعنتیں پڑ رہی تھیں اور شیعہ حضرات حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف منسوب کردہ ان روایات سے یہ ثابت کرنا چاہتے تھے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سامنے عثمان رضی اللہ عنہ کے خون کا انتقام لینے کا جو مطالبہ کیا تھا وہ (نعوذ باللہ) فریب کاری اور بددیانتی پر مبنی تھا۔ وہ کہتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل سے بالکل بری تھے اور ان کے قتل کی اصل ذمہ دار حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا تھیں جنہوں نے مفسدین کو شہ دے کر یہ فتنہ کھڑا کیا تھا۔

مذکورہ روایات قائلین عثمان رضی اللہ عنہ کے لئے بھی بے حد مفید تھیں کیونکہ انکی روشنی میں ان کا جرم بہت ہلکا نظر آتا تھا اور وہ لائق تعزیر نہیں ٹھہرتے تھے۔

ان واقعات سے بخوبی معلوم ہو سکتا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کن اسباب کی بنا پر ملکی سیاست میں حصہ لینا شروع کیا۔ جہاں تک حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دورِ سیاست کا تعلق ہے، یہ بات بلا شک و شبہ کہی جاسکتی ہے کہ اس میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو نامساعد حالات کی بنا پر مجبوراً حصہ لینا پڑا تاہم حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عہد میں یہ بات نہیں ہوئی اور اس دور کی سیاست میں انہوں نے اپنی مرضی سے قدم رکھا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ابتدائے خلافت ہی سے ان کے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے درمیان اختلاف پیدا ہونے شروع ہو گئے تھے اور انہی اختلافات نے آگے چل کر جنگِ جدل کی صورت اختیار کر لی۔ اسی ذیل یہ دردناک واقعہ بھی ظہور پذیر ہوا کہ بعض لوگوں نے جنہیں خود خلافت کی خواہش تھی، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی وجہ سے اور

مرتبہ سے ناجائز فائدہ اٹھا کر انہیں بھی اپنے ساتھ شریک کر لیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف باقاعدہ مہم شروع کر دی حالانکہ ان کے لئے ایسا کرنا قطعاً مناسب نہ تھا۔ ام المومنین کی شخصیت ایسی نہ تھی کہ انہیں اس طرح کے سیاسی جھگڑوں میں گھسیٹ کر ان کی قدر و منزلت کو گھٹانے کی کوشش کی جاتی۔ ام المومنین ہر دو فریق کے نزدیک محترم تھیں اور ان کے احترام کا تقاضا یہ تھا کہ انہیں سیاست کی دلدل سے بالکل علیحدہ رکھا جانا چنانچہ جب طلحہ اور زبیر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ہمراہ لے کر بصرہ کی جانب روانہ ہوئے تو قبیلہ سعد کے ایک شخص نے ان پر یہی اعتراض کیا۔ اس نے ان دونوں کو مخاطب کر کے کہا۔

اے زبیر رضی اللہ عنہ! تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حواری ہو اور اے طلحہ رضی اللہ عنہ! تم نے رسول اللہ کی حفاظت کی خاطر اپنے ہاتھوں پر تیر کھائے۔ تم نے ام المومنین کو تو اپنے ساتھ لے لیا ہے لیکن یہ تو بتاؤ کہ تم اپنی عورتوں کو بھی ساتھ لائے ہو۔ تم نے اپنی عورتوں کی عزت کا تو خیال کیا لیکن ام المومنین کی عزت و حرمت اور ناموس کا خیال نہ کیا۔ بنو سعد کے اس نوجوان کا اعتراض بالکل درست تھا۔ طلحہ رضی اللہ عنہ اور زبیر رضی اللہ عنہ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مقابلہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اپنا ہم خیال بنا لینے کا حق تو حاصل تھا لیکن انہیں میدان جنگ میں لے جانے اور مخالفین کے ہاتھوں ان کی بے حرمتی کرانے کا اختیار کسی صورت میں حاصل نہ تھا۔

ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ جن دنوں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف شورش برپا تھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے لئے مکہ چلی گئی تھیں۔ قیام مکہ کے دوران میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے

لے (دفٹ نوٹ ص ۱۳۱) تاریخ سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ کسی مرحلے پر بھی حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے اپنے لئے خلافت کی خواہش کی ہو۔ انہوں نے قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ سے انتقام لینے کا مطالبہ تو بیشک کیا لیکن خلافت کا دعویٰ کبھی نہیں کیا۔ (مترجم)

بھی حضرت عثمانؓ کا ایک پیغام لے کر وہاں پہنچے۔ اس پیغام میں حضرت عثمانؓ نے باغیوں کی شوریدہ سرری کا ذکر کر کے حجاج کو اپنی مدد کی دعوت دی مہتی مکہ پہنچکر ابن عباسؓ حضرت عائشہؓ سے بھی ملے بعض روایات کے بموجب حضرت عائشہؓ نے ان سے کہا کہ تم لوگوں کو عثمانؓ کی مدد پر آمادہ کرنے کی بجائے ان کی مخالفت پر ابھارو اور اس طرح طلحہ بن عبید اللہ کی خلافت کے لئے راہ ہموار کر دو۔ کیونکہ ان کی امانت و دیانت ضرب المثل ہے اگر انھیں خلافت مل گئی تو وہ اپنے بھتیجے ابو بکرؓ کے نقش قدم پر چلیں گے۔

حضرت ابن عباسؓ نے یہ سن کر فرمایا: "ام المؤمنین! اگر عثمانؓ خلافت سے ہٹا بھی دیئے گئے تو بھی آپ کی امید پر نہیں آئے گی، کیونکہ لوگ علیؓ کے سوا اور کسی شخص کو خلیفہ بنانے پر آمادہ نہیں ہوں گے۔"

حضرت عائشہؓ نے کہا: "اچھا تم چلے جاؤ۔ میں تم سے بحث و مباحثہ کرنا نہیں

چاہتی۔"

اسی دوران میں مدینہ کی تشویش ناک صورت حال کی خبریں مکہ میں بھی پہنچنی شروع ہوئیں حضرت عائشہؓ نے اصلاح احوال کی خاطر مدینہ واپس جانے کا ارادہ کیا مابھی

لے یہ روایت ہے اصل ہے کیونکہ خود حضرت عائشہؓ نے کئی موقعوں پر یہ روایت بیان کی تھی کہ حضورؐ نے عثمانؓ سے فرمایا۔ اللہ تمہیں ایک قبض پہنائے گا۔ لوگ اس قبض کو اتارنا چاہیں گے۔ مگر تم اسے ہرگز نہ اتارنا۔"

اس حدیث کی موجودگی میں جس کی راوی خود حضرت عائشہؓ ہیں یہ کیسے گمان کیا

جاسکتا ہے کہ ام المؤمنین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کی خلاف ورزی کرتے ہوئے لوگوں کو حضرت عثمانؓ کے خلاف برا بھلا کہنا اور انھیں معزول کرنے

کی جدوجہد کی۔ (مترجم)

وہ راستے ہی میں تھیں کہ انھیں حضرت عثمانؓ کی شہادت اور حضرت علیؓ کی خلافت کی خبریں معلوم ہوئیں اور یہ بھی پتہ چلا کہ مدینے پر باغیوں کا مکمل قبضہ اور عمل دخل ہے اور کوئی شخص ان کی مرضی کے بغیر کوئی کام نہیں کر سکتا۔ یہ سن کر حضرت عائشہؓ نے اپنے ساتھیوں کو فی الفور مکہ واپس ہونے کا حکم دیدیا۔ راستہ میں جو لوگ انہیں ملتے ان کے سامنے وہ دردناک الفاظ میں شہادت عثمانؓ کا ذکر کرتیں اور اس خونِ ناحق کا انتقام لینے پر آمادہ کرتیں۔ یہ دیکھ کر عبید بن ابی سلمہ نے جو نضیال کی طرف سے ان کے رشتہ دار تھے کہا:

”ام المومنین! یہ کیا؟ عثمانؓ کے خلاف سب سے پہلی آواز آپ ہی نے اٹھائی اور اب آپ ہی سب سے پہلے ان کے خون کا بدلہ لینے کا مطالبہ کر رہی ہیں۔“

حضرت عائشہؓ نے جواب دیا:

”یہ درست ہے کہ میں نے عثمانؓ کے خلاف بہت کچھ کہا لیکن اب جو کچھ کہہ رہی ہوں وہ پہلی باتوں سے بہتر ہے۔“

بدینہ تو مکمل طور پر باغیوں اور قاتلین عثمانؓ کے قبضہ میں تھا لیکن مکہ فی الحال ان کے اثر آزاد تھا اس لئے حضرت علیؓ کے مخالفین ہر چار طرف سے آ کر مکہ میں جمع ہونے لگے۔ ان میں بنو امیہ بھی تھے جن کی قوت و طاقت حضرت عثمانؓ کی شہادت

لہ سیاست میں اس چیز کو موقع پرستی کہا جاتا ہے ایک دنیاوی انسان اسے اپنے لئے خواہ کتنا ہی مفید کیوں نہ خیال کرے لیکن ام المومنین کے کسی طرح شایان شان نہیں تھا کہ وہ اس طرح موقع پرستی سے کام لیتیں حضرت عائشہؓ جیسی زیرک اور فہمیدہ خاتون اپنے مقام سے خوب آگاہ تھیں ان کے متعلق یہ گمان کس طرح کیا جاسکتا ہے کہ انہوں نے ایسی باتیں اپنے منہ سے نکالی ہوں گی جن کے باعث ان پر موقع پرستی کا الزام لگ سکے۔ لہذا عقلاً بھی اس قسم کی روایات قابل اعتماد نہیں۔ (مترجم)

کے بعد ختم ہو چکی تھیں حضرت عثمانؓ کے مقرر کردہ والی بھی تھے جن کی حکومت حضرت علیؓ کے سریرائے خلافت ہونے کے باعث خطرے میں پڑ گئی تھی اور حکومت کے وہ کارندے بھی تھے جنہیں اپنی سابقہ بے عنوانیوں کے محاسبہ کا خوف لاحق تھا۔ طلحہؓ اور زبیرؓ نے اس موقعہ کو غنیمت جان کر ان کے سامنے حضرت عثمانؓ کا انتقام لینے کا مطالبہ پیش کر دیا اور سب لوگوں نے بالاتفاق رائے اس مطالبے کی تائید کرتے ہوئے حضرت عائشہؓ اور طلحہؓ وزبیرؓ کو اپنا راہبر بنا لیا چنانچہ ان تینوں کی قیادت میں ایک لشکر کی تشکیل شروع ہوئی جس کا مقصد قاتلین عثمانؓ سے انتقام لینا تھا۔

حضرت عائشہؓ نے ان لوگوں کی راہبری قبول تو کر لی تھی لیکن حالات کا جائزہ لینے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ طبعاً اسے کراہت کی نگاہ سے دیکھتی تھیں انہوں نے لشکر کی قیادت محض اس لئے قبول کی کہ ہر شخص ان کی آواز پر لبیک کہہ کر حضرت عثمانؓ کے خون کا انتقام لینے کے لئے بچپن نظر آتا تھا اور اس عرض کے لئے سر دھڑکی بازی لگانے کو تیار تھا۔ گمان غالب یہی ہے کہ اگر لوگوں میں کامل اتفاق رائے نہ ہوتا اور انتقام عثمانؓ کے مطالبے سے متاثر ہو کر وہ ایک جھنڈے تلے جمع نہ ہوتے تو حضرت عائشہؓ نے ان کی قیادت قبول کرنے کو تیار ہوتیں اور نہ لشکر کو لے کر بصرہ کی جانب روانہ ہوتیں۔ راستے میں بھی ایسے واقعات پیش آتے رہے جن کی بنا پر وہ آگے بڑھنے سے ہچکچاتی رہیں۔ اس ضمن میں سب سے پہلا واقعہ پیش آیا، اس نے تو ان کے دل پر اتنا زبردست اثر کیا کہ انہوں نے فوراً ہی واپسی کا ارادہ کر لیا اور اگر لشکر والے بعض حیلوں کے ذریعہ انہیں روکنے میں کامیاب نہ ہو جاتے تو یقیناً جنگ جمل جیسے ناگوار اور افسوس ناک واقعات کبھی پیش نہ آتے۔

مذکورہ بالا واقعہ کی تفصیلات اس طرح ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا لشکر کوچ کرتا ہوا جب حوآب کے چشمہ پر پہنچا تو کتے بھونکنے لگے انہوں نے راہبر سے پوچھا "یہ کونسا چشمہ ہے" اس نے جواب دیا۔ "یہ حوآب کا چشمہ ہے" یہ سنتے ہی وہ چونک پڑیں اور کہنے لگیں۔ انا الیہ وانا الیہ راجعون۔ ایک مرتبہ حضورؐ اپنی ازواج کے درمیان تشریف فرما تھے کہ حضورؐ نے فرمایا۔ "نہ معلوم تم میں سے کس پر حوآب کے کتے بھونکیں گے۔"

یہ کہہ کر اپنے اونٹ کو بٹھا دیا اور کہنے لگیں۔ "مجھے واپس جانے دو، افسوس میں ہی حضورؐ کی وہ بیوی ہوں جس کے لئے حوآب کے کتوں کا بھونکنا مقدر ہو چکا تھا" ایک دن ایک رات حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا وہیں مقیم رہیں اور سٹپنے کا نام نہ لیا۔ آخر لشکر والوں نے ۵۰ بدوؤں کو رشوت دیکر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سامنے یہ گواہی دینے پر آمادہ کیا کہ حوآب کا چشمہ تو پیچھے گزر چکا ہے۔ اسی دوران میں طے شدہ سکیم کے مطابق بعض لوگوں نے چلانا شروع کر دیا۔ "اپنے بچاؤ کا سامان کر لو۔ علی ابن ابی طالب کا لشکر تمہاری گھات میں ہے اور وہ تم پر حملہ کرنے والا ہے۔"

آخر بڑی مشکل سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے لشکر کو آگے بڑھنے کی اجازت دی۔ اسی واقعہ پر بس نہیں۔ جنگِ جمل کے واقعات کے ضمن میں ہمیں ایک بھی ثبوت ایسا نہیں ملتا جس سے یہ معلوم ہوتا ہو کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا ارادہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فوج سے جنگ کرنے کا تھا۔ ان کا خیال تھا کہ باہمی گفت و شنید سے تمام معاملات بحسن و خوبی انجام پا جائیں۔ جنگ کا تو انہیں واہمہ بھی نہ تھا اور اسے وہ بعید از قیاس سمجھتی تھیں۔ اس کا ثبوت اس گفتگو سے ملتا ہے جو عاملِ بصرہ کے ایلیٰ ابوالاسود دہلی اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے درمیان ہوئی۔ جب ابوالاسود دہلی ان کے پاس آئے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان سے پوچھا۔

ابوالاسود! کیا یہ بات ممکن ہو سکتی ہے کہ کوئی شخص مجھ سے لڑنے کے لئے میدان جنگ میں آجائے۔

ابوالاسود حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زبردست حامیوں میں سے تھے۔ انہوں نے جوش میں آکر کہا۔

”خدا کی قسم! آپ کو اتنی شدید جنگ کا سامنا کرنا پڑے گا جس کا تصور بھی آپ نہیں کر سکتیں۔“

کئی دن اسی تردد میں گزر گئے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اپنی فوج کے ہمراہ بصرہ سے باہر مرید مقام پر خمیرہ زن تھیں۔ بصرہ کے عامل عثمان بن حنیف نے کبھی بار حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر حملہ کرنا چاہا لیکن اپنے سمجھا بچھا کر اسے لڑائی سے باز رکھا اور اصلاح احوال کی خاطر اپنی فوجیں مرید سے ہٹا کر دارالمرزق لے گئیں لیکن عثمان بن حنیف کو اپنے ارمان نکالنے کا بہت شوق تھا۔ ایک دن اس نے سمجھانے بچھانے کے باوجود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے لشکر پر حملہ کر ہی دیا جو دارالمرزق میں ڈیرے ڈالے پڑا تھا۔ سارا دن لڑائی جاری رہی جس پر فریقین کے چھ سو آدمی کام آئے اور بے شمار زخمی ہوئے۔ رات ہونے پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنے آدمیوں کو لڑائی بند کرنے کا حکم دیا اور اپنے کیمپ میں واپس چلی گئیں۔

دریں اثنا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے ایچی فقلع بن عمر کو طلحہ، زبیرؓ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بات چیت کرنے کے لئے بھیجا۔ وہ سب سے پہلے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس پہنچے اور کہنے لگے۔

”ام المؤمنین! آپ کس غرض کے لئے یہاں تشریف لائی ہیں؟“

انہوں نے جواب دیا،

”بیٹے! امت کی اصلاح کی خاطر۔“

قعقاع نے کہا:

”اچھا ذرا طلحہ اور زہیر کو بھی بلا لیجئے۔ وہ بھی آکر ہماری باتیں سن لیں چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان دونوں کو بلا بھیجا۔ قعقاع نے ان سے کہا:

”میں نے ام المومنین سے پوچھا تھا کہ وہ کس غرض کے لئے یہاں تشریف لائی ہیں۔ انہوں نے جواب دیا: امت کی اصلاح کی خاطر“ تم دونوں اس کے متعلق کیا کہتے ہو۔ تمہاری بھی وہی رائے ہے جو ام المومنین کی ہے۔“

ان دونوں نے یک زبان ہو کر جواب دیا:

”ام المومنین درست فرماتی ہیں۔ ہم واقعی اصلاح کی خاطر یہاں آئے ہیں“

قعقاع نے کہا:

”اس مطالبے کو پورا کرنے کی خاطر بصرہ کی لڑائی میں چھ سو آدمی مارے گئے لیکن اس کی مخالفت احتجاج کرتے ہوئے چھ ہزار آدمی تمہارا ساتھ چھوڑ کر فریق مخالف سے جاملے۔ تم نے حرقوس بن زہیر کو قتل کرنا چاہا لیکن اس کی حمایت میں چھ ہزار آدمی تمہارے مقابل پر نکل آئے اگر تم انہیں چھوڑ دیتے ہو تو اپنے قول کے مطابق احکام قرآنی کے تارک بنتے ہو لیکن اگر ان سے اور اپنا ساتھ چھوڑ جانے والے لوگوں سے جنگ کرتے ہو تو اس کی تمہیں طاقت نہیں۔ وہ بہت آسانی سے تمہیں شکست دیکر تمہارا شیرازہ منتشر کر دیں گے۔“

قعقاع کی یہ باتیں سن کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا۔

تم اس بارے میں کیا کہتے ہو۔“

قعقاع نے جواب دیا۔

”اس صورت حال کا مداوا جنگ و جدل کے ذریعہ نہیں بلکہ پرسکون ماحول پیدا کر کے ہی کیا جاسکتا ہے۔ آپ لوگ علی رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لیں تو امت کا شیرازہ منتشر



ہونے سے محفوظ رہے گا۔ اور ہم متحد ہو کر باسانی عثمانؓ کے قاتلین سے بدلہ لے سکیں گے لیکن اگر آپ لوگوں نے افتراق کی پالیسی پر عمل کیا تو مسلمانوں کا باہمی اتحاد و مفقود ہو جائے گا اور یہ امر تمام ہی خواہان امت کے لئے سخت صدمہ کا باعث ہوگا۔ مسلمانوں کی جمعیت کمزور ہو جائے گی اور عثمانؓ کا انتقام بھی نہ لیا جاسکے گا۔ اس لئے آپ لوگ سنجیدگی اور سکون سے تمام صورت حال کا جائزہ لیں، جنگ و جدل کی بجائے امن و عافیت کو ترجیح دیں اور بھائیوں کو ایک دوسرے کا دشمن بنانے کی بجائے ان میں محبت اور پیار پیدا کر کے انہیں قریب لانے کی کوشش کریں۔ یاد رکھیے اگر مسلمانوں میں انتشار پیدا ہو گیا تو یہ امر صرف ہمارے لئے نہیں بلکہ آپ کے لئے بھی تباہ کن ثابت ہوگا۔

یہ سن کر طلحہؓ، زبیرؓ اور عائشہؓ تینوں نے یک زبان ہو کر کہا :  
 ”تمہاری رائے بالکل درست ہے۔ تم علیؓ کے پاس جاؤ۔ اگر ان کی رائے بھی تمہاری رائے کے موافق ہوئی تو معاملہ باسانی سلجھ جائے گا۔“  
 چنانچہ قفقاع کو فرہینچے اور ان باتوں کی اطلاع حضرت علیؓ کو دی۔ وہ بہت خوش ہوئے اور اپنے ایلچی کے ہاتھ ان تینوں کو کہلا بھیجا کہ میں قفقاع کی باتوں سے بالکل متفق ہوں چنانچہ صلح کی بات چیت ہونے لگی لیکن بد قسمتی سے حضرت علیؓ اور حضرت عائشہؓ دونوں کے شکروں میں ایسے مفسدین کی کمی نہ تھی جو صلح کی بات چیت کو پروان چڑھتے دیکھ سکتے تھے۔ یہ صلح ان کے لئے پیغام موت سے کسی طرح کم نہ تھی۔ اس لئے انہوں نے اپنے مخصوص حیلوں سے کام لے کر صورت حال کو اتنا بگاڑ دیا کہ وہ حضرت علیؓ اور حضرت عائشہؓ دونوں کے قابو سے باہر ہو گئی اور دونوں فریق ایک دوسرے کے خلاف جنگ کی تیاریوں میں مشغول ہو گئے۔

تاہم صلح کی امید بکلی منقطع نہیں ہوئی حضرت عائشہؓ تو ابتداء ہی سے صلح کی

خواہش مند تھیں۔ طلحہ اور زبیر نے بھی غور و فکر کے بعد یہی رائے قائم کی کہ وہ غلطی پر ہیں اور انہیں کسی طرح بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جنگ نہ کرنی چاہیے۔ چنانچہ ایک دن زبیر نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے صاف صاف کہہ دیا کہ غور و فکر کے بعد میں تو اس رائے پر پہنچا ہوں کہ ہم سراسر غلطی پر ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا۔

”پھر تم کیا چاہتے ہو؟“

انہوں نے کہا:

”میں چاہتا ہوں کہ لشکر سے علیحدہ ہو کر واپس چلا جاؤں۔“

بسا اوقات فریقین کے درمند لوگ بھائیوں کی طرح ایک دوسرے کو نصیحتیں

کرتے اور جنگ و جدل کے خوفناک نتائج سے ڈراتے، ایک مرتبہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنے

لشکر سے باہر آئے اور انہوں نے زبیر رضی اللہ عنہ کو آواز دے کر کہا:

”اے زبیر! تمھاری بھلائی اسی میں ہے کہ تم واپس چلے جاؤ۔“

زبیر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا:

”اب میں کس طرح واپس جاسکتا ہوں؟ تم دیکھتے نہیں کہ دونوں فریق کس طرح

کیل کلنٹے سے لیس تیار کھڑے ہیں۔ اس حالت میں اگر میں پیٹھ دکھاؤں گا تو کلنک کا

ٹھیکہ ساری عمر میرے ماتھے پر لگا رہے گا۔ میں یہ ذلت کس طرح برداشت کر سکتا ہوں۔“

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا:

اس دنیا کی ذلت و رسوائی، آخرت کی ذلت و رسوائی اور دوزخ سے بدرجہا

بہتر ہے۔“

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اس نصیحت نے زبیر رضی اللہ عنہ کے دل پر ایسا اثر کیا کہ وہ فوراً واپس

جانے کے لئے تیار ہو گئے۔ جب ان کے لڑکے عبداللہ کو اپنے والد کے اس ارادے

کا علم ہوا تو وہ ان کے پاس گئے اور مختلف طریقوں سے انہیں روکنے کی کوشش

کرتے رہے لیکن زبیرؓ نے صاف کہہ دیا کہ میں نے قسم کھالی ہے کہ علیؓ کو بھی نہ لڑوں گا۔ یہ سن کر عبد اللہ نے کہا:

”آپ اپنی قسم کا کفارہ دے دیجئے اور جنگ کیجئے“

ابھی باہم صلاح و مشورہ جاری تھا کہ کعب بن سور حضرت عائشہؓ کے پاس آیا

اور کہنے لگا۔

”علیؓ کی فوج نے جنگ کرنے کا مصمم ارادہ کر لیا ہے۔ آپ اپنے ہووج پر سوار ہو کر چلئے۔ شاید آپ کی وجہ سے جنگ رک جائے اور باہم صلح ہو جائے۔ چنانچہ حضرت عائشہؓ اپنے ہووج پر سوار ہوئیں اور اُسے چاروں طرف سے زہروں سے ڈھانپ دیا گیا۔ وہ حضرت علیؓ کے لشکر کی طرف جانے کی کوشش کر رہی تھیں کہ شور و غل کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ حضرت عائشہؓ نے پوچھا۔ یہ شور و غل کیسا ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ حضرت علیؓ کے لشکر نے ہمارے لشکر پر حملہ کر دیا ہے۔ انہوں نے بھی مجبوراً مقابلہ کرنے کا حکم دے دیا۔ دونوں فریق بڑھ بڑھ کر دادِ شجاعت دینے لگے اور صلح کی کوششیں بالکل اکارت چلی گئیں۔“

جملہ واقعات پر ایک نظر دوڑانے سے معلوم ہوتا ہے کہ جنگِ جمل کسی معین مقصد اور مخصوص نظریے کو سامنے رکھ کر نہیں لڑی گئی اور نہ اس جنگ کے ذمہ دار اصحاب کے سامنے کوئی قدر مشترک تھی۔ اس وقت عالمِ اسلام میں صرف دو منظم و نسبی تھے۔ ایک حضرت علیؓ کا اور دوسرا حضرت معاویہؓ کا لیکن جنگِ جمل میں حضرت علیؓ کے حزب مخالف کا قطعاً یہ مقصد نہ تھا کہ علیؓ ابن ابی طالب کی قوت کو منتشر کر کے معاویہ بن ابوسفیان کو تقویت پہنچائی جائے کیونکہ طلحہؓ اور زبیرؓ میں سے کوئی بھی نہ حضرت معاویہؓ کے کسی لشکر کا سپہ سالار تھا اور نہ ان کے زیرِ نگیں علاقوں میں سے کسی علاقے کا حاکم۔ معاویہؓ کا خیر ذکر ہی کیا ہے آپس میں بھی یہ لوگ کسی ایک

شخص کی ولایت پر متفق نہ تھے۔ اور اگر حضرت علیؓ کو شکست ہو جاتی تو یقیناً ان دونوں میں سے کوئی بھی دوسرے کو اپنا حاکم تسلیم کرنے کو تیار نہ تھا۔

دراصل یہ دونوں اصحاب اپنے لئے ولایت کے خواہاں تھے اور چاہتے تھے کہ حضرت علیؓ ان سے مشورہ لئے بغیر کوئی کام نہ کریں لیکن حضرت علیؓ نے ان کی خواہشات کو پورا کرنے اور ان کے مشوروں پر عمل کرنے سے بالکل انکار کر دیا۔ اس پر یہ لوگ مایوس ہو کر مدینہ سے چلے گئے اور مکہ آ کر علم اصلاح بلند کر دیا۔ فوج کشی سے ان کا مقصد صرف حضرت علیؓ پر زور ڈال کر اپنے لئے عراق اور یمن کی ولایتیں حاصل کرنا اور خلیفہ کو اپنے مشوروں کا پابند بنا کر مجلس شوریٰ میں اہم مقام حاصل کرنا تھا۔ چنانچہ ان خواہشات کا اظہار وہ مدینہ میں حضرت علیؓ کے سامنے کر چکے تھے۔

جنگِ جمل میں طلحہؓ اور زبیرؓ کی شرکت کی وجہ تو ہماری سمجھ میں یہی آتی ہے جس کا اظہار ہم نے سطور بالا میں کر دیا ہے۔ حضرت عائشہؓ کے متعلق ہمارا خیال یہ ہے کہ علوی سیاست میں دخل اندازی اور اس جنگ میں ان کی شرکت کا باعث وہ پرانی رنجش تھی جو حضورؐ کے وقت سے چلی آ رہی تھی۔ ممکن تھا کہ یہ رنجش دل کی دل ہی میں رہتی اور اس کے اظہار کا موقع نہ آتا۔ لیکن حضرت علیؓ کی خلافت سے قبل اور بعد جو واقعات پیش آئے اور جس طرح مدینہ فتنہ و فساد کی آماجگاہ بنا جس بیدری اور شقاوتِ قلبی سے مظلوم خلیفہ ثالثؓ کا خون حرمِ نبویؐ میں بہا یا گیا اور پھر جس طرح باغیوں نے بزعم خود ملک کے سیاہ و سفید کا مالک بن کر اپنی من مانی شروع کر دی اس سے تمام ملک میں زبردست ہرجاں برپا ہو گیا اور ہر طرف سے مظلوم خلیفہ کا انتقام لینے کی آوازیں بلند ہونے لگیں۔ اس مطالبہ نے اتنی شدت اختیار کی کہ حضرت عائشہؓ کو بھی اس کی تائید کرنی اور شکر کی قیادت قبول کرنی پڑی۔ تاہم اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ اس وقت حضرت عائشہؓ کے تحت الشعور میں وہ واقعات بھی

پنہاں تھے۔

واقعہ انک کا ذکر کرتے ہوئے ہم بیان کر چکے ہیں کہ جس وقت حضور نے اس معاملہ کے متعلق حضرت علی رضی اللہ عنہ کی رائے دریافت فرمائی تو انہوں نے کہا کہ آپ کو فکر اور تردد کی ضرورت نہیں ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ اور بھی عورتیں موجود ہیں۔ آپ انہیں طلاق دے کر ان میں سے کسی سے نکاح کر لیجئے۔

اس مشورہ پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو جس قدر بھی رنج ہوتا کم تھا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لئے قطعاً مناسب نہ تھا کہ وہ حضور کو ایسا مشورہ دیتے۔ یہ بات انصاف سے بعید تر تھی کہ حضور محض ایک ایسے شہر کی بنا پر عائشہ رضی اللہ عنہا کو طلاق دے دیتے جو بد باطن منافقین نے حضور اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کے درمیان پھوٹا اور رنجش ڈلوانے کے لئے پیدا کرنا چاہا تھا۔ انہیں طلاق دینے سے بجا طور پر یہی سمجھا جاتا کہ حضور نے ان کے کیریکٹر کو رافعہ بالذات، مشکوک پا کر انہیں اپنے سے علیحدہ کر دیا ہے۔ اس صورت میں بدنامی صرف حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی نہ ہوتی بلکہ اس کی لپیٹ میں ان کے والد محترم اور خاندان کے تمام افراد بھی آجاتے اور سوائی کابہ داع قیامت تک کے لئے ان سے جدا نہ ہوتا معاملہ یہیں تک محدود نہ رہتا بلکہ منافقین کے لئے حضور اور اسلام پر حملہ کرنے کے لئے بھی راستہ کھل جاتا اور یہ بد باطن گروہ حضور کی زندگی ہی میں ایک عظیم فتنہ پیدا کرنے اور کمزور ایمان والے لوگوں کو اسلام سے برگشتہ کرنے میں کامیاب ہو جاتا۔ تعجب ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی نظروں سے یہ باتیں پوشیدہ کس طرح ہو گئیں اور انہوں نے انتہائی زیرک ہونے کے باوجود ایسا مشورہ کس طرح دے دیا جو انصاف اور مصلحت کے سراسر خلاف تھا۔ یہ درست ہے کہ انہوں نے یہ مشورہ محض اس لئے دیا کہ انہیں حضور کی عزت و ناموس کا بے حد پاس تھا اور اس پر حرف آنا ان کے لئے قطعاً ناقابل برداشت تھا۔ پھر بھی تحقیقات مکمل ہو جانے تک انہیں اس قسم کے

الفاظ زبان سے نہ نکالنے چاہئیں تھے۔

اس کے باوجود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جنگِ جمل کے موقعہ پر جو موقف اختیار کیا، ہم اس کی تائید نہیں کر سکتے۔ یقیناً حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو طلاق دینے کا مشورہ دے کر غلطی کی لیکن دوسری جانب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس رنجش کے باعث حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مقابلہ کرنے میں بھی سخت غلطی کی۔

تاہم اس موقعہ اس امر کا اظہار کر دینا ضروری ہے کہ بعد میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اس فعل پر سخت تدامت ہوئی۔ وہ اکثر کہا کرتی تھیں "کاش میں جنگِ جمل سے پہلے ہی مرجاتی۔" کاش میرے بطن سے حضور کے دس بچے پیدا ہوتے اور وہ سب کے سب مرجاتے لیکن جنگِ جمل کا واقعہ پیش نہ آتا۔"

جب کبھی جنگِ جمل کا ذکر آتا روتے روتے ان کی ہچکی بندھ جاتی اور ان کا دوپٹہ آنسوؤں سے تر ہو جاتا۔

اسی ذیل میں ایک اور امر بھی قابل ذکر ہے اور وہ یہ کہ انہوں نے مخالفت کے باوجود حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حق میں کبھی کوئی نازیبا لفظ منہ سے نہ نکالا۔ بنو امیہ کھلم کھلا حضرت علی رضی اللہ عنہ پر قتلِ عثمان رضی اللہ عنہ کا الزام لگاتے تھے لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان پر کبھی اس قسم کا کوئی الزام نہ لگایا بلکہ ہمیشہ ان کی پرہیزگاری اور تقویٰ و طہارت کی تعریف ہی کی۔ بسا اوقات یہاں تک کہہ دیا کہ وہ حضور کو سب سے زیادہ محبوب تھے۔

بے شک انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف خروج کیا لیکن اپنی طرف سے کبھی کوئی ایسی بات نہ کی جو فتنہ و فساد کو مزید بھڑکانے والی ہوتی۔ ان کا ارادہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کی فوجوں سے جنگ کرنے کا ہرگز نہ تھا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے خیر سگالی کے جذبات کا اظہار ہونے پر انہوں نے اپنی طرف سے بھی اسی قسم کے جذبات

کا اظہار کرنے میں کوئی کسر اٹھانہ رکھی۔ لیکن بعض مفسد اور فتنہ پرداز لوگوں کی کوششوں کی بدولت صلح کی یہ بات چھپت پروان نہ چڑھ سکی اور حضرت عائشہؓ کی توقعات کے بالکل برعکس جنگِ جمل کا واقعہ ہائلہ پیش آیا۔

یہ واقعہ اسلامی تاریخ کے دردناک واقعات میں سے ایک ہے۔

اور

اس میں عبرت پکڑنے اور نصیحت حاصل کرنے والوں کے لئے بہت ساسامان

پوشیدہ ہے:

## عورت کے حقوق

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی زندگی ہمیں بتاتی ہے کہ اسلام نے عورت کے کیا حقوق مقرر فرمائے ہیں جنصورت امت کے لئے بہترین نمونہ تھے اور جنصورت نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے حسن سلوک کر کے امت کو زبان حال سے بتا دیا کہ عورت کن کن حقوق اور مراعات کی مستحق ہے۔

یاد رکھنا چاہیے کہ جہاں شوہر کے ذمہ بیوی کے کچھ حقوق واجب ہیں وہاں بیوی پر بھی شوہر کے کچھ حقوق عاید ہوتے ہیں۔ جہاں شوہر کے لئے ضروری ہے کہ وہ گھر کے کاموں میں بیوی کا ہاتھ بٹائے، اس کی ضروریات کا خیال رکھے، اس کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آئے اور اس کی دلجوئی میں کوئی کسر اٹھانہ رکھے وہاں بیوی پر بھی یہ لازم ہے کہ وہ گھر کا انتظام اس حسن و خوبی سے چلائے کہ خاوند کو کوئی شکایت پیدا نہ ہو۔ وہ شوہر کے آرام و آسائش کا خیال رکھے۔ بچوں کی نگہداشت اور تربیت کرے اور ایسی خوشگوار فضا پیدا کر دے کہ گھر جنت کا نمونہ بن جائے۔

اللہ تعالیٰ نے عورت کا حقیقی مقام اس کا گھر مقرر فرمایا ہے۔ سیاست میں دخل اندازی اس کے لئے مناسب نہیں خصوصاً ایسی صورت میں تو اسے سیاست سے



بلکہ اجتناب کرنا چاہیے۔ جب ملک میں اضطراب اور شورش برپا ہو اور فتنہ و فساد کے شعلے ہر سو بھڑک رہے ہوں، لیڈری عورت کے بس کی بات نہیں۔ وہ قوم جس کی زمام قیادت کسی عورت کے ہاتھ میں ہو اپنے مقصد میں بہت ہی کم کامیاب ہوتی ہے۔ عورت کو اللہ نے گھر کا انتظام چلانے کے لئے مقرر فرمایا ہے۔ اُسے سیاسی معاملات میں گھسیٹنا ملک و قوم کے لئے ایتری کا باعث ہو سکتا ہے۔ اگر عورت بازی گاہ سیت میں جولانی دکھانے لگے تو لازماً وہ گھر سے بالکل لاپرواہ ہو جائے گی اور بچوں کی تعلیم و تربیت کی متعلق توجہ نہ دے سکے گی۔ اس کا جو تباہ کن اثر ملک کی نئی پود پر پڑ سکتا ہے۔ اسے بیان کرنے کی حاجت نہیں۔

حضرت عائشہؓ کی اہلی زندگی بڑی کامیاب تھی وہ پورے طور پر اپنے گھر کی مالک و مختار تھیں اور ان کے شوہر محترم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کاموں میں برابر ان کا ہاتھ بٹایا کرتے تھے اور جب تک گھر میں تشریف فرما رہتے کوئی نہ کوئی گھریلو کام کرتے ہی رہتے تھے۔

ادھر حضرت عائشہؓ نے بھی جہاں تک ان سے بن پڑتا تبلیغ و ہدایت اور تعلیم و تلقین کے کام میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کرتی رہتی تھیں اور اس عظیم بوجھ کو کم کرنے میں، جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کندھوں پر پڑا ہوا تھا، ہر وقت سعی و کوشاں رہتی تھیں۔

پس جہاں تک فریقین کے حقوق کا سوال تھا کسی فریق کی طرف سے کبھی دوسرے کے حقوق میں کوتاہی نہ ہوتی تھی اور دونوں اپنے اپنے طبقہ کے لئے بہترین نمونہ تھے۔ حضرت عائشہؓ نے سیاست میں ضرور حصہ لیا لیکن اس کی وجہ یہ تھی کہ اول تو وہ ذکاوت اور علم و فضل میں مردوں سے بھی بڑھی ہوئی تھیں۔ دوسرے وہ ایک عظیم الشان انسان کی بیوی اور ایک جلیل القدر شخص کی بیٹی تھیں اور ہر شخص ان کی تعظیم کرنے اور

ان کے ارشادات کے آگے تسلیم خم کرنے پر مجبور تھا اور ایک لیڈر کی سب سے بڑی خوبی یہی ہے کہ جہاں وہ علم و فضل، فطانت و ذکاوت میں ممتاز حیثیت کا حامل ہو وہاں خاندانی لحاظ سے بھی اس کی شہرت قائم ہو اور اس کی ذاتی وجاہت کے باعث لوگ اس کی باتیں قبول کرنے کے لئے تیار ہوں۔ چنانچہ کچھ تو اپنی فطری استعدادوں اور کچھ ملکی حالات کے باعث انہیں سیاست میں حصہ لینا پڑا لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہر عورت کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی تقلید کرتے ہوئے میدانِ سیاست میں کود پڑنا چاہیے۔ سیاست میں حصہ لینے کے لئے خاص استعدادوں اور صلاحیتوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ شاذ ہی کوئی عورت صحیح طور پر لیڈر بننے کی صلاحیت اپنے اندر رکھتی ہو۔ لہذا عورتیں میدانِ سیاست سے جتنا دور رہیں اتنا ہی ان کے لئے مفید ہے البتہ خانگی زندگی کے میدان میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا یقیناً دوسری عورتوں کے لئے نمونہ ہیں اور اس عمر میں عورتوں کو ان کی تقلید ضرور کرنی چاہیے۔

آج کل عورتوں کے حقوق کا پروپیگنڈا کرنے والے مردوں اور عورتوں کی مساوات پر بے حد زور دیتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ کسی صنف کو دوسری صنف پر کسی قسم کی فوقیت اور برتری حاصل نہیں ہونی چاہیے اور دونوں کو ایک جیسے حقوق ملنے چاہئیں لیکن مرد اور عورت کے دائرہ عمل خلقت اور عادات و خصائل کو مد نظر رکھتے ہوئے یہ مطالبہ بالکل ناقابلِ عمل ہے۔ اس کی بجائے اگر عورت کو اس کے جائز حقوق دلانے اور اسے ظلم و ستم سے بچانے کی مہم شروع کی جائے تو یقیناً اس سے مفید نتائج برآمد ہو سکتے ہیں قرآن کریم سے پہلی کتاب ہے جس نے اس حقیقت کو تسلیم کیا ہے۔ اور مردوں اور عورت کے حقوق ادا کر نیکی طرف توجہ دلائی ہے چنانچہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ۔ جس طرح دستور کے مطابق عورت کے ذمہ کچھ حقوق واجب ہیں اسی طرح مردوں کے ذمہ عورتوں کے کچھ حقوق بھی ہیں جن

کی ادائیگی بے حد ضروری ہے البتہ چونکہ عورت خَلقی طور پر کمزور ہے، اس لئے مرد کو اس پر ایک طرح کی توقیت حاصل ہے۔

اور حضرت عائشہؓ کی زندگی اس امر کا ثبوت ہے، کہ اسلام نے عورت کے جو حقوق مقرر کئے ہیں حضورؐ نے حضرت عائشہؓ کو ان سب سے نوازا۔

قرآن کریم نے عورت کی جو حیثیت مقرر فرمائی ہے وہ قوانینِ فطرت کے عین مطابق ہے۔ وہ ایک ابدی حقیقت ہے جو کبھی متغیر نہیں ہو سکتی۔ مرد اور عورت کے درمیان مساوات قائم کرنے کا مطالبہ کرنے والوں پر یہ حقیقت آج نہیں توکل ضرور منکشف ہو جائے گی کہ وہ مطالبہ جس کی بنیاد فطری حقائق پر نہ ہو کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا۔

واقعہ یہ ہے کہ عورت اور مرد ایک دوسرے سے بہت حد تک مختلف ہیں اور یہ اختلاف اتنا واضح ہے جس میں شک کی مطلق گنجائش نہیں عورت اور مرد کے روزمرہ کے مشاغل ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہیں اعضاء کی بناوٹ کے لحاظ سے وہ ایک دوسرے سے بالکل علیحدہ ہیں حتیٰ کہ دونوں کے احساسات اور جذبات بھی ایک دوسرے سے جدا ہوتے ہیں۔ گھر بلو کام مثلاً کھانا پکانا، سینا پر ونا، بچوں کی پرورش عورت جس خوبی سے کر سکتی ہے مرد نہیں کر سکتا۔ مرد اور عورت کی ذمہ داریاں بھی ایک دوسرے سے مختلف ہوتی ہیں۔ خانگی امور کی نگہداشت فطرت نے عورت پر ڈالی ہے اور روزی کمانے اور بیوی بچوں اور متعلقین کی پرورش کا کام مرد کے سپرد ہوتا ہے۔

اس صورت میں جبکہ عورت اور مرد کا دائرہ عمل ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہے۔ دونوں کو ایک جیسے حقوق سے نوازنا اور ان میں کامل مساوات قائم کرنا بالکل ناممکن ہے اور یہ مطالبہ کرنے والے اپنے آپ کو دھوکا دے رہے ہیں۔ وہ لوگ جو جبر کے ذریعہ دونوں کو ایک جیسے حقوق سے نوازنا اور دونوں کے درمیان کامل مساوات قائم کرنا چاہتے ہیں وہ دراصل خاندان کی عمارت کو منہدم کرنے کے درپے ہیں۔ ان

کے خیال میں خاندان ایک طوق ہے جو لوگوں نے زبردستی لوگوں کے گلوں میں ڈال رکھا ہے۔ ایک زنجیر ہے جس نے عورت کی ترقی کی راہیں مسدود کر رکھی ہیں۔ اس لئے عورت کو کامل آزادی دینے کے لئے خاندان کو تباہ کرنا ضروری ہے لیکن ان لوگوں کی نظر اس حقیقت پر نہیں پڑتی کہ خاندان کی تباہی معاشرہ کی تباہی ہے۔ خاندان کے معدوم ہونے کے نتیجہ میں عورت اور مرد کے درمیان الفت و محبت اور تعاون و اتحاد کی عمارت بھی دھڑام سے زمین پر آ پڑتی ہے۔ ایسی صورت میں مرد و عورت ایک ایسی مشین کے کل پرزے بن کر رہ جائیں گے جو جذبات اور احساسات سے بالکل عاری ہو کر اپنا کام کئے جاتی ہے اور یہ امر انسانیت کے لئے جس قدر مہلک ہے اس کے بیان کرنے کی حاجت نہیں۔

مرد اور عورت کے درمیان کامل مساوات کی تلقین ایک دھوکا ہے اور ناقابل عمل فلسفہ۔ درست راستہ جو عین فطرت کے مطابق ہے وہ یہی ہے کہ عورت کو اس کے جائز حقوق سے بہرہ ور کر دیا جائے اور جو حق تلفیاں اس کے ساتھ ہوتی رہی ہیں۔ اس کا سلسلہ یک قلم بند کر دیا جائے۔ تہذیب و تمدن کی گاڑی اسی طرح چل سکتی ہے اور اسی کی طرف قرآن کریم نے ان الفاظ میں اشارہ کیا ہے۔

ولهن مثل الذی علیہن بالمعروف والرجال علیہن درجۃ۔

(مرد کی طرح عورت کے بھی کچھ حقوق ہیں جن کی ادائیگی ضروری ہے۔ البتہ مرد کو

عورت پر ایک گونہ فضیلت ضرور حاصل ہے۔)

مرد اور عورت کے درمیان مساوات کے مسئلہ کا ایک اور پہلو بھی ہے جس کا

تعلق تعداد ازواج سے ہے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا یہ امر قرین انصاف ہے کہ مرد ایک وقت میں کئی بیویوں کو اپنے تحت میں رکھے۔ کیا تعداد ازواج ایسی نیکی ہے

جس کی بجا آوری ہر مسلمان کا فرض ہے اور کیا تعداد ازواج کے جواز میں قانونِ قدرت اور فطرتِ انسانی سے کوئی دلیل مل سکتی ہے؟

اس کا سیدھا سادا جواب یہ ہے کہ اسلام نے کہیں یہ دعویٰ نہیں کیا کہ تعداد ازواج ایسی نیکی ہے جس کی بجا آوری ہر مسلمان پر فرض ہے۔ اسلام نے تعداد ازواج کو نہ تو ہر مسلمان کے لئے فرض قرار دیا ہے اور نہ ہر کس و ناکس کے لئے ایک سے زائد بیویاں کرنے پر اظہارِ پسندیدگی کیا ہے۔ تعداد ازواج کے لئے اس نے مندرجہ ذیل لازمی قرار دی ہے کہ خاوند تمام بیویوں کے درمیان مساوات اور عدل قائم رکھے اور کسی بیوی کو بھی شکایت کا موقعہ نہ دے۔

اچھی طرح یاد رکھنا چاہیے کہ شریعتِ اسلامی خدا تعالیٰ کی طرف سے آخری شریعت ہے جو بنی نوع انسان کی ہدایت کے لئے نازل کی گئی ہے اس لئے لازمی تھا کہ اس میں بنی نوع انسان کی ان تمام ضروریات اور مشکلات کا لحاظ رکھا جاتا جو آئندہ کے لئے قیامت تک انہیں پیش آنے والی ہیں۔

اسلام نے بنی نوع انسان کی جملہ مشکلات کو جن طریقوں سے حل کیا ہے اس سے بہتر حل ممکن نہیں لیکن جن قوموں نے اسلام کے پیش کردہ حل کو چھوڑ کر خود ساختہ حل تلاش کرنے چاہے انہیں یا تو پیش آمدہ مسائل سے فرار اختیار کرنا پڑا یا افراط و تفریط کی راہیں اختیار کر کے اپنے لئے مزید مشکلات پیدا کر لیں۔ تعداد ازواج کے مسئلہ ہی کو لیجئے۔ یورپ والے کہتے ہیں کہ تعداد ازواج ہمارے لئے قطعاً ناقابلِ برداشت ہے لیکن حقائق سے گریز کرنے کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہاں زنا عام ہے اور مرد و عورت کے آزادانہ اختلاط کو بری نگاہ سے نہیں دیکھا جاتا۔ تعداد ازواج ناقابلِ برداشت ہے لیکن بیوی کے علاوہ کسی اور عورت کو بطورِ دستہ گھر میں ڈال لینا جائز اور تہذیب کے عین مطابق ہے۔

انسانی تاریخ میں مختلف دور ایسے آتے رہے ہیں جب عورتوں کی تعداد مردوں کی تعداد سے اس حد تک بڑھ جاتی رہی ہے کہ ہر عورت کے لئے خاوند کا میسر آنا ناممکن ہو جاتا تھا۔ جنگ کے زمانے میں تو ہر وقت یہ صورت حال پیدا ہو سکتی ہے اس وقت نہ صرف یہ کہ مردوں کی تعداد گھٹ جاتی ہے بلکہ ہزاروں لاکھوں عورتیں بیوہ ہو کر بے کسی اور بے بسی کی زندگی گزارنے پر مجبور ہو جاتی ہیں۔ چنانچہ یورپ کی جنگ عظیم میں یہی ہوا۔ اول تو وہاں پہلے ہی مردوں کی تعداد عورتوں کی نسبت بہت کم تھی، دوسرے، جنگ کی تباہ کاریوں نے ان کی تعداد تشویش ناک حد تک کم دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جنگ کے بعد تیس چالیس لاکھ عورتیں ایسی باقی رہ گئیں جن کے لئے یا تو خاوند میسر نہ تھے یا وہ بیوگی کی حالت میں ذلت آمیز زندگی بسر کرنے کے لئے مجبور تھیں۔ اس صورت حال کو سامنے رکھتے اور پھر تعداد ازواج کے مسئلے کو اپنے ذہن میں لائے۔ تعداد ازواج کے خلاف خواہ کتنی دلیلیں دہی جائیں لیکن یہ ماننا پڑیگا، کہ بیوگی کی ذلت آمیز زندگی کا مداوا تعداد ازواج کے سوا اور کوئی نہیں۔ اسی طرح یہ مسئلہ بظاہر کتنا ناگوار معلوم ہوتا ہو لیکن یہ تسلیم کئے بغیر چارہ نہیں کہ غیر شادی شدہ عورتوں کے لئے سارا دن کارخانوں میں کام کرنے اور رات کو تکان سے چور ہو کر بستر پر اترنے سے کہیں بہتر ہے کہ انہیں ایسے شوہروں کی رفاقت نصیب ہو جن کی گوپہلے سے بیویاں موجود ہوں لیکن ان کے لئے بھی ان کی محبت کا دروازہ ایسے ہی کھلا ہو جیسے دیگر بیویوں کے لئے۔

عزت کی حریت و مساوات کے علمبردار اور تعداد ازواج کے مخالفین اپنی دلیل میں یہ امر بھی پیش کرتے ہیں کہ اگر مردوں کو کئی بیویاں کرنے کی اجازت ہے تو عورتوں کو بیک وقت کسی خاوندوں سے نکاح کرنے کی کیوں اجازت نہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ امر فطرت کے بالکل برخلاف ہے اگر عورت بیک وقت

کئی مردوں سے تعلق قائم کر لے تو بچوں کی پیدائش پر وہ اپنے خاوندوں کو کیسے یقین دلا سکے گی کہ فلاں بچہ فلاں خاوند کا ہے۔ ایسی عورت کے پیٹ سے پیدا ہونے والے بچے کو کوئی خاوند بھی اپنی اولاد تسلیم نہیں کرے گا۔ اور ان بچوں کا مستقبل نہایت تاریک ہو جائے گا۔ لیکن کسی مرد کے ایک سے زیادہ بیویاں کرنے کی صورت میں اس قسم کی کوئی مشکل پیش نہیں آسکتی۔

اس جگہ ایک اہم امر کا ذکر کر دینا بھی ضروری ہے اور وہ یہ کہ بیوی کی آزادی اور عورت کی آزادی دو علیحدہ علیحدہ مسئلے ہیں، ایک مسئلہ نہیں۔

تفصیلات میں خواہ کتنا ہی اختلاف ہو، تاہم ہر شخص اس امر پر متفق ہے کہ رشتہ ازدواج بعض شرائط کے ساتھ مشروط ہے جن کی پابندی کرنا نہ صرف بیوی بلکہ خاوند کا بھی فرض ہے۔ نہ بیوی کے لئے جائز ہے کہ وہ اپنے شریک زندگی کے حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی کرے اور نہ مرد کے لئے جائز ہے کہ وہ اپنی بیوی کے حقوق کی نگہداشت میں لاپرواہی سے کام لے۔

لیکن جس مسئلہ کے متعلق آج کل افراط و تفریط سے کام لیا جا رہا ہے وہ مجرد عورت کی آزاد زندگی کا مسئلہ ہے۔

موجودہ زمانے کے نام نہاد آزادی کے علمبرداروں کا یہ خیال ہے کہ ہر ایسی عورت کو جو شادی کے بندھنوں میں گرفتار ہو چکی ہو، کامل آزادی ملنی چاہیے۔ اور اسے جسی قیود میں ہرگز نہ جکڑنا چاہیے۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ قیود دراصل مذہب کی طرف سے اس پر عاید کی گئی ہیں۔ جس قدر جلد ممکن ہو سکے عورت کو ان سے آزاد کر دینا چاہیے اور جو بیڑیاں اس کے پاؤں میں ابتدائے آفرینش سے پڑی ہوئی ہیں انہیں یکسر اتار پھینکنا چاہیے۔ اس طرح وہ انسان کو ان شرف المخلوقات کے درجے سے گرا کر حیوان مطلق

کی سطح پر کھڑا کرنا چاہتے ہیں۔

یہ خیال کہ مذہب نے انسان کو نا واجب قیود میں جکڑا ہوا ہے ایک عظیم مغالطہ ہے جو نام نہاد آزادی کے یہ علمبردار دنیا کو دینا چاہتے ہیں۔ عورت پر جو قیود لگی ہوئی ہیں وہ مذہب نے نہیں بلکہ فطرت انسانی نے لگائی ہیں اور فطرت کی قیود کو توڑنے والا شرف المخلوقات نہیں بلکہ ارذل المخلوقات کہلانے کا مستحق ہے۔ فطرت کی عاید کردہ قیود کی پابندی کرنے کا نام اخلاق ہے اور اخلاق درخواہ ان کا تعلق جنسی امور سے ہو خواہ غیر جنسی امور سے، کی بنیاد ضبط نفس پر ہے جو شخص اپنے اوپر قابو نہیں رکھ سکتا۔ وہ ہرگز با اخلاق انسان کہلانے کا مستحق نہیں۔

مثال کے طور پر کھانے کو لیجئے بعض مخصوص حالتوں کے سوا مذہب نے کھانے پر کوئی پابندی نہیں لگائی۔ یہ شخص کو اجازت ہے کہ جب چاہے کھانا کھائے اور جتنا چاہے کھانا کھائے۔ لیکن جو شخص کھانا کھائے وقت اپنے نفس پر قابو نہیں رکھ سکتا اور کھانا دیکھتے ہی اس پر اس طرح ٹوٹ کر گرتا ہے جیسے پانچ وقت کے فلتے سے ہو، ہرگز شریف انسان کہلانے کا مستحق نہیں ہوگا اور ہر محفل اور ہر جگہ ذلت کی نگاہوں سے دیکھا جائے گا۔

جنسی امور میں ضبط نفس لابدی چیز ہے۔ یہ ایک اخلاقی قیمت ہے جو مرد عورت سے طلب کرتا ہے اور عورت مرد سے اور وہ دونوں اس اولاد سے جو آگے چل کر اس فضیلت کی وارث بننے والی ہے۔

اگر ایک شخص آبرو باختہ عورت سے نفرت کرتا ہے تو وہ اس سے اس لئے نفرت نہیں کرتا کہ اس عورت نے دین کے کسی حکم کی خلاف ورزی کی ہے بلکہ اس لئے اس پر نفرت بھجتا ہے کہ اس نے فطرت کے احکام کی خلاف ورزی کی ہے اور فطرت کے احکام کی خلاف ورزی کرنے والے کو مہذب انسانوں کی برادری میں کہیں بھی عزت



کی نگاہ سے نہیں دیکھا جاتا۔

یقیناً مذہب نے انسان پر جنسی امور کے بارے میں بعض پابندیاں عاید کی ہیں لیکن ظلم کے طور پر نہیں بلکہ محض اس لئے کہ فطرت انسانی ان پابندیوں کا تقاضا کرتی تھی۔ ان پابندیوں کے ذریعہ اخلاق کی بنیاد استوار کی جاتی ہے اور بنی نوع انسان کو اخلاقی قیود میں جکڑ کر انہیں تباہی سے بچایا گیا ہے۔

پس جو مذاہب ان قیود کو تسلیم کرتے ہیں وہ فطرت سلیمہ کی آواز پر لبیک کہہ کر ایسا کرتے ہیں لیکن جو لوگ انسان کو مادر پدر آزادی دلانے کے خواہاں ہیں وہ دراصل بنی نوع انسان پر بدترین ظلم ڈھارے ہیں اور فطرت کی آواز کا انکار کر کے انسانیت کو ہلاکت کے مہیب غار کی طرف دھکیلنا چاہتے ہیں پس اصل فضیلت یہی ہے کہ انسان فطرت کی آواز پر لبیک کہہ کر اپنے اعمال کو اس کے مطابق ڈھالے اور غیر فطری امور سے اجتناب کر کے آپ کو حیوان مطلق بننے سے بچالے۔





ترجمہ

رسالہ

عین الاضداد

فیما

استدکات الشیخ کا مشہور کتاب علی الصنیۃ

از

مولانا جلال الدین سیوطی



## بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الحمد لله والسلام على عباده الذي اصطفى

یہ رسالہ جس کا نام میں نے "عین الاصابہ فی استدرک عائشہ علی الصحابہ" رکھا ہے امام بدرالدین زکشی کی کتاب "الاجابۃ لایراد ما استدرکتہ، عائشہ علی الصحابہ" کا خلاصہ ہے۔ مگر خلاصہ کرنے کے باوجود میں نے اس امر کا خیال رکھا ہے کہ اگر اس موضوع کے متعلق مجھے کوئی نئی بات معلوم ہو تو اسے اپنے رسالہ میں زیادہ کر دوں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے مختلف علمی اور فقہی مسائل میں دیگر صحابہ کرام سے جو اختلاف کیا ہے اس رسالہ میں انہی اختلافات کا ذکر ہے اس موقع پر اس حقیقت کا اظہار ضروری ہے کہ اس موضوع پر شیخ بدرالدین زکشی کی مذکورہ بالا کتاب کو اولیت کا درجہ حاصل نہیں ہے بلکہ ان سے بھی پہلے مشہور فقیہ اور محدث الاستاد ابو منصور بن حسن بن محمد بن علی بن طاہر البغدادی ایسی ہی ایک کتاب تالیف فرما چکے ہیں۔ گو وہ بہت مختصر ہے اور اس میں صرف پچیس مسائل کا تذکرہ ہے اس کا علم مجھے ابو عبد اللہ بن مقبل کے ذریعے ہوا۔

## باب فضائل عائشہ:

# حضرت عائشہؓ کے علم و فضل کا بیان

مصنف امام بدرالدین زکریا نے کتاب الاجابتہ میں اور حاکم نے مستدرک میں عروہ کی ایک روایت درج کی ہے جس میں وہ کہتے ہیں:

”میں نے حلال و حرام کے مسائل، علوم و فنون، شعر اور طب میں حضرت عائشہؓ سے بڑھ کر کسی کو باخبر نہیں دیکھا۔“

حاکم نے عروہ ہی کی ایک روایت درج کی ہے جس میں ذکر کرتے ہیں:

”میں نے حضرت عائشہؓ سے پوچھا۔ سنن و فرائض تو آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سیکھے۔ شعر اور عربی زبان کا علم آپ کو عرب شعرا اور زبان اور خطیبوں کے ذریعے حاصل ہوا۔ لیکن یہ فرمائیے کہ طب کس ذریعے سے حاصل کیا؟“ انہوں نے جواب میں فرمایا: ”جن دنوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صاحب فراش تھے تو اطلبے عرب آپ کے پاس آیا کرتے تھے۔ میں نے انہی سے یہ علم سیکھا۔“

مسروق ذکر کرتے ہیں:

”خدا کی قسم! میں نے صحابہؓ کو حضرت عائشہؓ سے میراث کے مسائل پوچھتے سنا ہے۔“ (مستدرک حاکم)

عطا کتے ہیں:

”عامۃ الناس میں حضرت عائشہ رضی سے زیادہ فقیہ، عالم اور صاحب الرائے اور کوئی نہ تھا۔“ (مستدرک حاکم)

امام زہری فرماتے ہیں:

”اگر تمام صحابہؓ کا علم یکجا کر لیا جائے پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کا علم بھی اس کے ساتھ ملا لیا جائے تب بھی حضرت عائشہ رضی کا علم ان سب کے یک جانی علم سے بڑھ کر ہوگا۔“ (مستدرک حاکم)

موسیٰ بن طلحہ کہتے ہیں:

”میں نے حضرت عائشہ رضی سے زیادہ فصیح اور کسی کو نہیں دیکھا۔“ (مستدرک حاکم)

احنف ذکر کرتے ہیں:

”میں نے ابو بکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ، علیؓ اور دیگر حکام و امراء کے خطبات سے ہیں لیکن جو شان و شوکت اور فصاحت و بلاغت میں نے حضرت عائشہ رضی کے خطبوں میں پائی وہ اور کسی کے خطبوں میں نہیں تھی۔“ (مستدرک حاکم)

حضرت عائشہ رضی خود فرماتی ہیں:

”میں فخر نہیں کرتی لیکن اللہ تعالیٰ نے مجھے تو باتیں ایسی مرحمت فرمائی ہیں جو مجھ سے پہلے سوائے مریم بنت عمران کے اور کسی عورت کو عطا نہیں ہوئیں اور وہ یہ ہیں:

۱۔ شادی سے قبل جبریل میری تصویر لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

۲۔ حضورؐ نے مجھ سے اس وقت نکاح کیا جب میری عمر صرف سات سال کی تھی۔

۳۔ زحمت کے وقت میری عمر نو برس کی تھی۔

۴۔ میرے سوا حضورؐ نے اور کسی کنواری عورت سے شادی نہیں کی۔

۵۔ میرے لحاف کے سوا اور کسی بیوی کے لحاف میں حضورؐ پر وحی نازل نہیں ہوئی۔

۶۔ میں حضورؐ کی سب سے محبوب بیوی تھی۔

۷۔ میرے بارے میں قرآن کریم کی آیات نازل ہوئیں۔

۸۔ میرے سوا حضورؐ کی اور کسی بیوی نے جبریلؑ کی زیارت نہیں کی۔

۹۔ حضورؐ نے میرے ہی حجرے میں وفات پائی اور وفات کے وقت حجرے میں میرے سوا اور کوئی موجود نہ تھا۔

(مستدرک حاکم)

## باب الطہارۃ

### غسل کے مسائل

ابوسلمہ بن عبدالرحمن بیان کرتے ہیں۔ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس گیا اور عرض کیا:  
 "ام المؤمنین! جابر بن عبداللہ کہتے ہیں کہ غسل شرعی کے لئے خروجِ ماء شرط ہے!"  
 حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا:

"جابر غلط کہتے ہیں۔ غسل خروجِ ماء کے بغیر بھی واجب ہوتا ہے اگر خروجِ ماء  
 کے بغیر رحم واجب ہو جاتا ہے تو غسل کیوں نہیں ہو سکتا!"

ہشام بن عروہ اپنے والد کی زبانی یہ روایت بیان کرتے ہیں:  
 "ابن عمر کا فتویٰ یہ تھا کہ بوسہ لینے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے جب حضرت عائشہ رضی  
 اللہ عنہا کو اس کا علم ہوا تو انہوں نے فرمایا:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم روزہ کی حالت میں بوسہ لیتے تھے لیکن دوبارہ وضو نہیں  
 کرتے تھے۔" (سنن دارقطنی)

عبید بن عمیر روایت بیان کرتے ہیں:

"حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو معلوم ہوا کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما عورتوں کو اپنی چوٹیاں کھول کے  
 غسل کرنے کا فتویٰ دیتے تھے۔ انہوں نے فرمایا: "ابن عمر یہ کیوں نہیں کہتے کہ غسل



کے وقت عورتیں اپنا سر ہی منڈوا دیا کریں۔ میں اور حضورؐ ایک ہی برتن سے غسل کیا کرتے تھے لیکن میں نے کبھی اپنے سر کی چوٹی نہیں کھولی بلکہ اس پر تین چلو پانی بہالیا کرتی تھی۔ (مسلم و نسائی)

ابو منصور بغدادی نے اپنی کتاب میں عبدالرحمن بن حاطب کی ایک روایت درج کی ہے جس میں وہ کہتے ہیں۔

ابو ہریرہؓ کہا کرتے تھے کہ جو شخص مردے کو غسل دے وہ بعد میں خود بھی غسل کرے اور جو جنازہ کو کندھا دے وہ وضو کرے۔ جب حضرت عائشہؓ نے اس کا علم ہوا تو انہوں نے فرمایا۔ کیا مسلمانوں کے مردے بھی نجس ہیں کہ انہیں ہاتھ لگانے سے غسل کرنا ضروری ہو جاتا ہے اور اگر کوئی شخص جنازہ کو کندھا دیتا ہے (اور بعد میں وضو نہیں کرتا، تو اس میں حرج کی کیا بات ہے؟

## بابُ الصَّلَاةِ

### نماز کے مسائل

ابو سلمہ ذکر کرتے ہیں کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ابو ہریرہ نے فرمایا کہ جب نماز میں سے کسی شخص کو بھولے کر جو شخص پانچوں وقت کی نماز میں وقت پر پورے رکوع اور سجود کے ساتھ ادا کرتا رہا، اس میں کمی نہیں کی اس نے خدا سے عہد لے لیا کہ وہ اسے عذاب نہ دیکے لیکن جس نے کمی کی اس نے عہد نہیں لیا۔ اللہ تعالیٰ چاہے تو بخش دے اور چاہے تو عذاب لے دے۔

(معجم طبرانی)

ابو القاسم بن محمد روایت کرتے ہیں:

ابو القاسم بن محمد روایت کرتے ہیں: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا مفسود اس حدیث کے بیان کرنے سے یہ تھا کہ وتر کی نماز فرائض میں نہیں بلکہ سنتوں میں شامل ہے۔ اگر یہ بیان لیا جائے کہ وتر کی نماز ادا نہ کرنے سے دوسری نمازیں بھی قبول نہیں ہوتیں تو اس صورت میں لازمی ہے کہ اس شخص کو عذاب کا مستحق سمجھا جائے حالانکہ عذاب کا اصل مستحق فرائض کو ترک کرنے والا ٹھہرتا ہے نہ کہ سنتوں کو ترک کرنے والا۔ (منزجم)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو معلوم ہوا کہ ابو ہریرہ کہتے ہیں: اگر عورت سامنے سے گزر جائے تو نماز ٹوٹ جاتی ہے۔ انہوں نے فرمایا:

رسول خدا صلعم رات کو ہتجد کی نماز ادا فرمایا کرتے تھے۔ میں آپ کے سامنے لیٹی ہوتی تھی۔ جب حضور سجدہ کرنے لگتے تھے ہاتھ سے میرے پاؤں کو ہلاتے تھے میں اپنے پاؤں کو سکیڑ لیا کرتی تھی اور جب حضور سجدہ سے سر اٹھاتے تھے تو دوبارہ پھیلا لیتی تھی۔

ابو نہیک ذکر کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ ابو الدرداء رضی اللہ عنہ نے خطبہ کے دوران میں کہا: جو شخص وتر پڑھے بغیر سوجائے اور صبح کی نماز کے وقت اس کی آنکھ کھلے تو وہ وتر ادا نہیں کر سکتا۔ جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ابو الدرداء رضی اللہ عنہ کی اس بات کا علم ہوا تو انہوں نے فرمایا:

ابو الدرداء رضی اللہ عنہ غلط کہتے ہیں۔ بعض اوقات حضور کے وتر بھی رات کو ادا ہو جانے سے رہ جاتے تھے لیکن حضور انہیں صبح کی نماز کے وقت ادا فرمالتے تھے۔ (سنن بیہقی)

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ عصر کی نماز کے بعد سورج غروب ہونے کے وقت تک نوافل ادا کرنا جائز نہ سمجھتے تھے جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اس کا علم ہوا تو انہوں نے فرمایا: "عمر کو غلط یاد ہے حضور نے عصر کی نماز کے بعد سورج کے غروب ہونے تک کوئی اور نماز ادا کرنے سے منع نہیں فرمایا۔ بلکہ صرف اس بات سے منع فرمایا ہے کہ تاک کر سورج کے طلوع یا غروب ہونے وقت نماز پڑھی جائے۔"

(صبح مسلم)

## بابُ الحَبَانِزِ

### جنازہ کے مسائل

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں ایک مرتبہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا :  
 میں نے کہلا بھیجا تھا کہ سعد بن ابی وقاص کا جنازہ مسجد نبوی میں لایا جائے  
 تاکہ ہم عورتیں بھی نمازہ جنازہ میں شریک ہو سکیں لیکن لوگوں نے اسے بڑا منایا :  
 یہ کہہ کر فرمایا : لوگ کتنی جلدی حضور کے زمانے کے واقعات بھول گئے حضور  
 علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سہل بن بیضا د کا جنازہ مسجد ہی میں پڑھایا تھا۔

(مسلم)

عبداللہ بن ابی ملیکہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت عثمان بن عفان کی ایک بیٹی  
 فوت ہو گئیں۔ ہم تعزیت کے لئے ان کے مکان پر گئے۔ وہاں ابن عمر رضی اللہ عنہما اور ابن  
 عباس رضی اللہ عنہما بھی موجود تھے۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے عثمان رضی اللہ عنہ سے (جو اپنی بہن کے  
 فوت ہونے پر رو رہے تھے) کہا۔ روومت کیونکہ حضور نے فرمایا کہ میت کو  
 اس کے گھر والوں کے رونے پر عذاب دیا جاتا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں  
 حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی یہی کہا کرتے تھے جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اس کا علم ہوا تو  
 انہوں نے فرمایا :

اللہ تعالیٰ عمر بن عمر پر رحم کرے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا کہ مومن کو کسی شخص کے رونے کی وجہ سے عذاب دیا جاتا ہے۔ بلکہ یہ فرمایا ہے کہ کافر کو اس کے گھر والوں کے آہ و بکا کرنے پر اور زیادہ عذاب دیا جاتا ہے۔ بھٹکے لئے سب سے بڑی حجت قرآن کریم ہے۔ اس میں بھی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ لا تزدوا ذلہ وزرا آخری۔ رقیامت میں کوئی شخص کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔ ابن مالکیہ کہتے ہیں کہ جب ابن عمر کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہ حدیث سنائی گئی تو انہوں نے کچھ نہیں کہا۔ (بخاری مسلم)

عمر بن عمر نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی زبانی یہ روایت بیان کی ہے۔ نہ عبداللہ بن عمر کہتے ہیں۔ میت کو اس کے گھر والوں کی آہ و بکا کے سبب عذاب دیا جائے گا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ سن کر کہا۔ اللہ تعالیٰ ابو عبد الرحمن کو معاف کرے، انہوں نے جھوٹ تو نہیں بولا لیکن معلوم ہوتا ہے وہ بھول گئے ہیں یا انہیں غلط فہمی ہوئی ہے۔ واقعہ صرف اتنا ہوا کہ حضور ایک یہودیہ کے جنازے کے پاس سے گزرے۔ اس کے گھر والے اس کا ماتم کر رہے تھے حضور نے فرمایا۔ یہ لوگ تو اس پر رو رہے ہیں لیکن اسے قبر میں عذاب دیا جا رہا ہے۔ (بخاری مسلم)

عروہ بنت عبد الرحمن ذکر کرتی ہیں۔ کسی شخص نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ بعض لوگوں کا خیال ہے حضور کو دھاری دار یعنی چادر میں کفنا یا گیا تھا۔ کیا یہ صحیح ہے۔ انہوں نے فرمایا۔ لوگ دھاری دار یعنی چادر لائے تو بھتے لیکن وہ استعمال نہیں کی گئی۔ (مسلم)

ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کیا کرتے تھے کہ جنگ بدر ختم ہونے کے بعد حضور اس کوئیں پر تشریف لائے جس میں کفار مکہ کی لاشیں گھسیٹ کر ڈال دی گئی تھیں۔ اور فرمایا۔ اب تو تمہیں پتہ چل گیا ہوگا کہ تمہارے رب نے تم سے جو وعدہ کیا تھا وہ سچا تھا۔ لوگوں نے

عرض کیا: "حضرت! کیا یہ مروے آپ کی آواز سنتے ہیں؟" آپ نے فرمایا: "جو کچھ میں کہہ رہا ہوں اسے یہ بھی تک سن رہے ہیں!"

جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ابن عمر رضی اللہ عنہما کی اس روایت کا علم ہوا تو انہوں نے فرمایا: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ اب انہیں معلوم ہو گیا ہے کہ میں جو کچھ کہا کرتا تھا وہ سچ تھا" (طبرانی)

ایک مرتبہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے لوگوں کے سامنے یہ حدیث بیان کی کہ حضور نے فرمایا ہے: "جو بندہ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کرنا پسند کرتا ہے اللہ تعالیٰ بھی اس سے ملنا پسند فرماتا ہے۔ لیکن جو بندہ اللہ تعالیٰ سے ملاقات پسند نہیں کرتا اللہ تعالیٰ بھی اس سے ملنا نہیں چاہتا۔"

جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ اس حدیث کا علم ہوا تو انہوں نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ ان پر رحم فرمائے انہوں نے حدیث کا آخری حصہ تو بیان کر دیا لیکن ابتدائی حصہ چھوڑ گئے۔ پوری حدیث یہ ہے کہ حضور نے فرمایا: "جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کے ساتھ بھلائی کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو اس کی وفات والے سال ایک فرشتے کو مقرر کرتا ہے جو اسے وقتاً فوقتاً جنت کی بشارت دیتا رہتا ہے اور اسے صراطِ مستقیم پر گامزن رکھ سکتا ہے۔ جب اس بندے کی وفات کا وقت آتا ہے تو فرشتہ اس کے سر پر بیٹھ جاتا ہے اور کہتا ہے: "اے نفسِ مطمئنہ! تو دنیوی آلائشوں سے چھٹکارا پا کر اپنے پروردگار کے حضور حاضر ہو رہا ہے جہاں تیرے لئے ہر قسم کی آلائش مہیا ہیں۔ تجھے وہاں خدا تعالیٰ کا دیدار بھی میسر ہوگا۔ یہی وقت ہوتا ہے جب وہ اللہ تعالیٰ کے دربار میں باریابی کا مشتاق ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس سے ملاقات کا خواہشمند ہوتا ہے۔ لیکن جب خداوند تعالیٰ کسی بندے کو عذاب دینا چاہتا ہے تو اس کی وفات والے سال ایک شیطان کو اس پر مسلط کر دیتا ہے جو

اسے سیدھی راہ سے بھٹکا کر بدی کی راہ پر لگا دیتا ہے۔ جب اس کی موت کا وقت نزدیک آتا ہے تو ملک الموت اس کی روح قبض کرنے کے لئے حاضر ہو جاتا ہے۔ اس پر وہ شیطان اس کے سر ہانے بیٹھ جاتا ہے اور کہتا ہے: "اے شخص! خدا کے دربار میں تیری پیشی کا وقت آچکا ہے اور اللہ کا غضب اور عذاب تجھ پر نازل ہونے والا ہے۔ یہی وہ وقت ہوتا ہے اور خدا تعالیٰ اس سے (بحالتِ رضا مندی) ملنا ناپسند کرتا ہے۔ (دارقطنی)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے وفات کے قریب نئے کپڑے منگا کر پہنے اور کہا: "میں نے حضور سے سنا ہے کہ وہ مردہ انہی کپڑوں میں اٹھایا جائے گا جن کپڑوں میں اس نے وفات پائی تھی" جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اس بات کا علم ہوا تو انہوں نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ ابوسعید پر رحم فرمائے حضور کا مطلب وہ نہ تھا جو ابوسعید نے سمجھا۔ بلکہ یہ تھا کہ بندہ وفات کے قریب جس قسم کے اعمال بجالائے گا قیامت میں انہی کے مطابق اسے بدلہ دیا جائے گا۔ کپڑوں میں اٹھائے جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ کیونکہ حضور فرماتے ہیں: "قیامت کے روز لوگ ننگے پاؤں، ننگے بدن، بغیر ختنے کے اٹھائے جائیں گے۔" (ابوداؤد، ابن حبان، حکم)

ابومنصور بغدادی ابو عطیہ کی ایک روایت اپنی کتاب میں درج کرتے ہیں جس میں وہ کہتے ہیں:

"میں اور مسروق حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئے مسروق نے عرض کیا کہ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: "جو شخص اللہ تعالیٰ کی ملاقات کو پسند کرتا ہے، اللہ تعالیٰ بھی اس سے ملاقات کو پسند کرتا ہے" یہ سن کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

"اللہ تعالیٰ ابو عبد الرحمن پر رحم فرمائے انہوں نے حدیث کا ابتدائی حصہ تو

بیان کر دیا لیکن آخری حصہ بیان نہ کیا اور تم نے بھی ان سے نہ پوچھا جنور کی پوری حدیث  
اس طرح ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے اچھا سلوک کرنا چاہتا ہے تو اس کی وفات  
وہ سال اس کے لئے ایک فرشتہ مقرر کر دیتا ہے جو اسے صراطِ مستقیم پر گامزن کر  
دیتا ہے اور نیک اعمال اس سے صادر ہونے لگتے ہیں یہاں تک کہ اس کی وفات  
کے بعد لوگ کہتے ہیں کہ فلاں شخص بہترین زندگی گزار کر دنیا سے رخصت ہوا۔ وفات  
کے بعد جب وہ اللہ تعالیٰ کے دربار میں حاضر ہوتا ہے اور جنت کی نعم اپنے سامنے  
دیکھتا ہے تو اس کا دل خوشی سے معمور ہو جاتا ہے۔ یہی وہ وقت ہوتا ہے جب وہ  
خدا تعالیٰ سے ملاقات کرنا پسند کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس سے ملاقات کرنا پسند  
فرماتا ہے۔ لیکن اس کے برعکس جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے اس کی بد اعمالیوں  
کے سبب برا سلوک کرنا چاہتا ہے تو اس کی وفات وہ سال ایک شیطان اس  
پر مسلط کر دیتا ہے۔ وہ اسے سیدھی راہ سے ہٹا کر گمراہی کے راستے پر ڈال دیتا ہے۔  
چنانچہ جب وہ مرتا ہے تو لوگ کہتے ہیں کہ فلاں شخص نے بدترین حالت میں وفات  
پائی جب وہ دوبارہ اٹھایا جاتا ہے تو اپنی بد اعمالیوں کے باعث جہنم کے عذاب  
کو اپنے سامنے دیکھتا ہے تو اس کے حزن و الم کی انتہا نہیں رہتی۔ یہی وہ وقت ہوتا  
ہے جب وہ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کرنا پسند کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس سے ملاقات  
کرنا پسند فرماتا ہے۔



## باب الصَّیِّم

# روزوں کے مسائل

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے ایک مرتبہ بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: "مہینہ انتیس دن کا ہوتا ہے" لوگوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس کا ذکر کیا انہوں نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ ابو عبد الرحمن پر رحم کرے جنور نے مہینے کے لئے انتیس دن کی تجدید نہیں فرمائی تھی۔ بلکہ یہ کہا تھا کہ مہینہ کبھی انتیس دن کا بھی ہوتا ہے ساتھ ہی پوری حدیث بھی بیان فرمائی اور وہ یہ کہ ایک مرتبہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے قسم کھائی تھی کہ آپ مہینہ تک اپنی بیویوں سے کلام نہیں کریں گے۔ یہ دن جنور نے ایک بالاخانے پر بسر فرمائے، جب انتیس دن ہو چکے تو جنور بالاخانے سے اتر کر میرے پاس تشریف لائے۔ میں نے عرض کیا: "آپ نے تو قسم کھائی تھی کہ ایک مہینہ تک ہم سے بات چیت نہ کریں گے" آپ نے فرمایا: "مہینہ انتیس دن کا بھی ہوتا ہے۔" (مسند احمد بن حنبل)

ابو بکر عبد الرحمن بیان کرتے ہیں کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ دورانِ وعظ میں کہا: "اگر روزے کے دنوں میں کسی کو صبح نہانے کی ضرورت پیش آجائے تو وہ روزہ نہ رکھے" میں نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی یہ بات عبد الرحمن بن حارث سے بیان کی انہوں نے اپنے والد سے اس کا تذکرہ کیا۔ انہوں نے کہا: "میں نے جنور سے اس قسم کی

کوئی حدیث نہیں سنی۔ ابو بکر بن عبدالرحمن کہتے ہیں میں اور عبدالرحمن بن عمارت  
 حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس پہنچے لیکن ان دونوں نے ابو ہریرہؓ  
 کی بات کی تردید کی اور کہا کہ حضورؐ کو جب یہ حالت پیش آتی تھی تو آپؐ کبھی روزہ  
 قضا نہ کرتے تھے۔ ہم دونوں وہاں سے اٹھ کر مروان کے پاس آئے۔ عبدالرحمن نے  
 یہ سب ماجرا اس سے بیان کیا۔ مروان نے کہا: میں تمہیں قسم دیتا ہوں کہ تم ابو ہریرہؓ  
 کے پاس جاؤ اور ان کے سامنے ان کے قول کی تردید کرو۔ چنانچہ ہم ابو ہریرہؓ کے  
 پاس آئے۔ عبدالرحمن نے ان سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی فرمودہ  
 حدیث بیان کی۔ انہوں نے پوچھا: کیا واقعی وہ دونوں یہ کہتی ہیں؟ انہوں نے  
 کہا: ہاں! ابو ہریرہؓ نے کہا: ”اصل بات یہ ہے کہ میں نے یہ مسئلہ فضل بن عباس  
 سے سنا تھا۔ براہ راست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں سنا۔ اب تم کہتے ہو کہ عائشہ رضی اللہ عنہا اور  
 ام سلمہ رضی اللہ عنہا اس کی تردید کرتی ہیں تو میں اپنے فتویٰ سے رجوع کرتا ہوں۔“ (مسلم)  
 بزاز اپنی مستدیس لکھتے ہیں کہ اس حدیث کے علاوہ ہمیں اور کسی ایسی حدیث  
 کا علم نہیں جسے ابو ہریرہؓ نے فضل بن عباس کے حوالہ سے بیان کیا ہو۔

## بابُ الْحَجِّ

# حج کے مسائل

سالم بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ ابن عمرؓ نے اپنے والد کا یہ قول بیان کیا کہ رمی کرنے اور سرمنڈانے کے بعد حاجیوں پر عورتیں اور خوشبو کے سوا دوسری چیزیں جائز ہو جاتی ہیں۔ سالم کہتے ہیں جب حضرت عائشہؓ نے یہ بات سنی تو فرمایا کہ سوائے عورتوں کے باقی سب چیزیں جائز ہو جاتی ہیں جب حضورؐ احرام کھول دیا کرتے تھے تو میں حضورؐ کے کپڑوں کو خوشبو لگایا کرتی تھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی پیروی کرنا ہر مسلمان کا فرض ہے۔ (سنن بیہقی)

عمرہ بنت عبد الرحمن سے روایت ہے کہ زیاد بن ابوسفیان نے حضرت عائشہؓ کی خدمت میں ایک مکتوب روانہ کیا جس میں لکھا کہ عبد اللہ بن عباس کہتے ہیں جو شخص خود حج کے لئے نہ جا سکے لیکن قربانی کا جانور حرم میں ذبح کرنے کے لئے بھیج دے اس پر قربانی کے ذبح ہونے تک تمام وہ چیزیں حرام ہو جاتی ہیں جو ایک حاجی پر حرام ہوتی ہیں۔ میں نے بھی اپنی قربانی بھیجی ہے۔ آپ مجھے لکھیے کہ کیا واقعی مسئلہ اسی طرح ہے؟ عمرہ کہتی ہیں جھرت عائشہؓ نے جواب میں لکھوایا کہ ابن عباس کا کہنا درست نہیں۔ میں اپنے ہاتھ سے قربانیوں کے جانوروں کے لئے قلاوے (جانوروں کے

نگلوں میں ڈالنے کی رسی، بنا کرتی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ قلاوے اپنے ہاتھ سے جانوروں کو پہناتے تھے اور کچھ میرے والد کے ہمراہ انہیں مکہ معظمہ بھیج دیا کرتے تھے لیکن اپنے اوپر کوئی چیز ایسی حرام نہیں کرتے تھے جسے اللہ تعالیٰ نے جائز ٹھہرایا ہو یا تھا۔

(سنن بیہقی)

امام زہری بیان کرتے ہیں کہ اس مسئلے کے بارے میں سب سے پہلے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے لوگوں کی غلط فہمیاں دور کیں اور انہیں سنت نبوی سے آگاہ کیا۔ زہری کہتے ہیں۔ مجھے عروہ اور عمر نے بتایا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی تھیں، میں قربانیوں کے جانوروں کی رسیاں بنا کرتی تھی۔ حضور انہیں مکہ بھیج دیا کرتے تھے لیکن کسی چیز سے اجتناب نہیں کرتے تھے یہاں تک کہ وہ قربانی مکہ میں ذبح ہو جاتی تھی۔ جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اس قول کا پتہ چلا تو انہوں نے اسی پر عمل شروع کر دیا اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کے فتوے کو ترک کر دیا۔ (بیہقی)

محمد بن منتشر کہتے ہیں: میں نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے احرام سے قبل خوشبو لگانے کے متعلق دریافت کیا۔ انہوں نے کہا میں اپنے بدن پر تار کول پھروانا پسند کروں گا لیکن یہ پسند نہیں کروں گا کہ حالت احرام میں میرے جسم سے عطر کی خوشبو آئے۔ جب اس امر کا تذکرہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حضور ہوا تو انہوں نے فرمایا میں رات کے وقت حضور کو خوشبو لگایا کرتی تھی، صبح اٹھ کر آپ احرام باندھتے تھے اور آپ کے جسم سے خوشبو کی مہک بدستور آیا کرتی تھی۔ (بخاری مسلم نسائی)

مجاہد سے روایت ہے کہ عروہ نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے پوچھا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کتنے عمرے ادا کئے؟ انہوں نے جواب دیا چار عمرے اور ان میں سے ایک ماہِ رجب میں ادا فرمایا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا حجرہ قریب ہی تھا۔ عروہ نے پکار کر کہا: ام المومنین آپ سنتی ہیں ابو عبد الرحمن کیا کہہ رہے ہیں؟ انہوں نے پوچھا: کیا کہہ رہے ہیں؟ عروہ نے

کہا۔ یہ کیا کہہ رہے ہیں کہ رسول اللہ صلی علیہ وسلم نے چار عمرے کئے اور ان میں سے ایک ماہِ رجب میں ادا فرمایا۔ انہوں نے کہا رسول اللہ صلی علیہ وسلم نے ابو عبد الرحمن پر رحم فرمائے۔ رسول اللہ صلی علیہ وسلم نے کوئی عمرہ ایسا نہیں کیا جس میں وہ (ابن عمر رضی عنہما) حضورؐ کے شریک نہ رہے ہوں (اس پر بھی وہ بھول گئے) حضورؐ نے ماہِ رجب میں کوئی عمرہ ادا نہیں فرمایا۔ (بخاری و مسلم)

لیکن ابو داؤد، نسائی اور ابن ماجہ نے جو حدیث بیان کی ہے وہ مذکورہ بالا حدیث سے کچھ مختلف ہے۔ یہ حضرات مجاہد ہی کی زبانی بیان کرتے ہیں کہ کسی نے ابن عمرؓ سے پوچھا: "حضورؐ نے کتنے عمرے کئے؟" انہوں نے جواب دیا: "دو۔" جب حضرت عائشہؓ نے کو اس کا علم ہوا تو انہوں نے فرمایا: "عجب ہے ابن عمرؓ باوجود علم رکھنے کے ایسی بات کہتے ہیں اور حجۃ الوداع کے ساتھ جو عمرہ کیا تھا وہ اس کے علاوہ ہے؟"

سالم بن عبد اللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ ان کے والد یہ فتویٰ دیتے تھے کہ عورتیں جب احرام باندھیں تو اپنے موزوں کو کاٹ کر انہیں جوتیاں بنا لیں لیکن صفیہؓ نے انہیں بتایا کہ عائشہؓ کا فتویٰ اس کے برعکس ہے۔ وہ عورتوں کو حالت احرام میں موز سے کاٹ دینے کا حکم نہیں دیتیں۔ یہ سن کر ابن عمرؓ نے اپنے فتویٰ سے رجوع کر لیا۔  
(شافعی بیہقی)

ابن خزیمہ اور ابن داؤد سالم بن عبد اللہ بن عمرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ ابن عمرؓ یہ فتویٰ دیتے تھے کہ عورتیں جب احرام باندھیں تو اپنے موزوں کو کاٹ دیں۔ اور انہیں جوتیاں بنا لیں لیکن پھر صفیہ بنت ابی عبیدہؓ نے انہیں حضرت عائشہؓ کی ایک روایت سنائی جس میں انہوں نے بیان کیا کہ حضورؐ نے ایام حج میں عورتوں کو موز سے پہننے کی اجازت دے دی تھی۔ اس پر ابن عمرؓ نے اپنے فتویٰ کو واپس لے لیا۔  
امام احمد بن حنبلؒ کتاب المناسک الکبیر میں مجاہد کی ایک روایت بیان

کرتے ہیں جو یہ ہے :

عائشہؓ کہا کرتی تھیں مجھے ابن زبیر کے اس فتوے پر تعجب ہوتا ہے کہ فریضہ حج ادا کرنے والی عورتیں چار انگل بال کٹوائیں حالانکہ انہیں صرف کسی طرف کی ذرا سی لٹ ترشوا دینی کافی ہے ۔

ابن اسحاق کہتے ہیں " ایک مرتبہ برائے ذکر کیا کہ حضورؐ نے تین عمرے کئے اور تینوں ذی العقدا میں کئے حضرت عائشہؓ کو معلوم ہوا تو انہوں نے فرمایا کہ حضورؐ نے چار عمرے کئے ہیں اور ان میں وہ عمرہ بھی شامل ہے جو آپ نے حجۃ الوداع کے ساتھ ادا فرمایا " (سنن بیہقی)

ابو علقمہ بیان کرتے ہیں کہ شیبہ بن عثمان (نگران خانہ کعبہ) حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا " ام المومنین! خانہ کعبہ کے غلاف ہمارے پاس کثرت سے جمع ہو جاتے ہیں اور ہم اس ڈرے کہ کہیں لوگ ناپاکی کی حالت میں نہیں استعمال میں نہ لے آئیں انہیں گہرا گڑھا کھود کر دبا دیتے ہیں حضرت عائشہؓ نے فرمایا " تم بہت برا کرتے ہو۔ غلاف جب خانہ کعبہ سے اتار لیا گیا تو وہ لمٹھکے لئے بیکار ہے۔ خواہ اسے اجنبی سپہیں یا حائضہ عورتیں۔ آئندہ سے تم انڑے ہوئے غلاف کو بیچ دیا کرو اور جو رستم حاصل ہو اسے مسکینوں اور مسافروں میں تقسیم کر دیا کرو۔"

(سنن بیہقی)

## بابُ البیع

# خرید و فروخت کے مسائل

ابو اسحق سنہی کی بیوی بیان کرتی ہیں کہ چند عورتوں کے ہمراہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئیں ایک عورت نے ذکر کیا۔

”ام المؤمنین! میری ایک لونڈی تھی میں نے اسے زید بن ارقم کے ہاتھ آٹھ سو درہم میں بیچ دیا لیکن انہوں نے قیمت اُس وقت نہیں دی بلکہ یہ کہا کہ جب وظیفہ کی رقم ملے گی تو ادا کر دیں گے۔ کچھ دنوں کے بعد انہوں نے بھی اس لونڈی کو بیچنے کا ارادہ کیا۔ جب مجھے یہ معلوم ہوا تو میں نے چھ سو درہم نقد دے کر وہ لونڈی ان سے خرید لی۔ اور اس طرح مجھے دو سو درہم فائدہ رہا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ سن کر فرمایا: ”تم نے بھی بڑا کیا اور زید نے بھی بڑا کیا۔ زید کو میری طرف سے کہہ دینا کہ اگر انہوں نے توبہ نہ کی تو حضور کی معیت میں انہوں نے جہاد کا جو ثواب حاصل کیا تھا وہ باطل ہو جائے گا۔“ یہ سن کر اس عورت نے کہا: ”ام المؤمنین! آپ کا مطلب یہ ہے کہ اب ان سے لونڈی کی صرف اصل قیمت لینے کا اختیار ہے؟“ انہوں نے فرمایا: ”ہاں۔“ اور یہ کہہ کر یہ آیت پڑھی۔

فمن جاءه موعظة من ربه فانتهى افله ما سلفه

(جس شخص کو اپنے پروردگار کی طرف سے (سود کے بارے میں) نصیحت آچکی اور یہ نصیحت سن کر وہ سود لینے سے باز آگیا تو اسے اپنے قرض خواہوں سے صرف اسی قدر لینا چاہیے جس قدر پہلے دیا تھا)

مصنف عبد الرزاق سنن بیہقی، سنن دارقطنی

## باب النکاح

# شادی بیاہ کے مسائل

ابن ابی ملکیہ سے روایت ہے کہ کسی عورت نے حضرت عائشہؓ سے متہ کی حلت و حرمت کے بارے میں دریافت کیا۔ انہوں نے جواب دیا: ہمارے اور تمہارے درمیان کتاب اللہ فیصلہ کرنے والی ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے۔  
 وَالَّذِينَ لَفَرَوْ جُبُوهُمْ حُمْفَطُونَ۔ اَللّٰهُ عَلٰی اَزْوَاجِهِمْ وَمَا مَلَكَتْ اَیْمَانُہُمْ قَانِہُمْ غٰیِرَ  
 مَلُوْمِیْنٍ فَمَنْ اَبْتَعٰ اَوْ رَا ذَا لَکَ فَا لَیْکَ ہُمُ الْعَدُوْنُ وَوہ لوگ جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں سوائے اپنی بیویوں یا اپنی لونڈیوں کے ان پر کوئی ملامت نہیں لیکن جو اس حد سے آگے بڑھتے ہیں وہ یقیناً زیادتی کرنے والے ہیں۔

پس جو شخص اپنی منکوحہ بیوی اور لونڈی کے علاوہ اور کسی سے تعلق پیدا کرتا ہے وہ یقیناً خدائی فرمان کے خلاف کرتا ہے۔ (حاکم)

مسلم نے اپنی صحیح حدیث میں شعبی کی ایک روایت درج کی ہے جس میں وہ بیان کرتے ہیں کہ میں فاطمہ بنت قیس کے پاس گیا اور ان سے اس فیصلہ کے متعلق دریافت کیا جو ان کے مقدمہ طلاق کے بارے میں حضورؐ نے فرمایا تھا۔ انہوں نے کہا: مجھے میرے شوہر نے طلاق دیدی تھی میں حضورؐ کے پاس گئی اور عرض کیا کہ حضورؐ میرے شوہر کو حکم دیں کہ وہ طلاق کی مدت ختم ہونے تک میری رہائش اور نان و نفقہ کا بندوبست



کرے لیکن حضورؐ نے میرے دعوے کو تسلیم نہ کیا۔“

بخاری اور ابوداؤد میں عروہ کی ایک روایت ہے جس میں وہ کہتی ہیں کہ عائشہ رضی اللہ عنہا بنت قیس پر سخت نکتہ چینی کیا کرتی تھیں اور فرماتی تھیں کہ فاطمہ کا مکان سنان اور ویران جگہ پر واقع تھا اس لئے حضورؐ نے انہیں وہاں سے منتقل ہونے کی ہدایت فرمائی تھی یہ

مسلم نے عروہ کی ایک روایت درج کی ہے جس میں وہ کہتے ہیں کہ سعید بن عاص کے لڑکے نے عبدالرحمن بن حکم کی لڑکی سے شادی کی۔ لیکن بعد میں اسے طلاق دے کر گھر سے نکال دیا۔ میں نے اس کے اس فعل پر اعتراض کیا تو بعض لوگ کہنے لگے کہ فاطمہ بنت قیس بھی تو طلاق ہونے کے بعد اپنے شوہر کے گھر سے نکل آئی تھیں۔ عروہ کہتے ہیں میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آیا اور یہ ماجرا ان سے بیان کیا۔ انہوں نے فرمایا: ”فاطمہ بنت قیس کے لئے یہ مناسب نہیں ہے کہ وہ یہ حدیث بیان کریں۔“

۱۔ ورنہ اسلام کا حکم یہی ہے کہ مطلقہ عورت عدت کے دن اپنے شوہر کے گھر میں گزارے۔ (مترجم)

## باب جامع

## متفرق مسائل

امام بخاریؒ نے قاسم کی ایک روایت اپنی صحیح حدیث میں درج کی ہے جس میں وہ کہتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا: "جو شخص کہتا ہے کہ حضورؐ نے اپنے رب کو دیکھا ہے وہ بہت بڑے گناہ کا ارتکاب کرتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے صرف جبریل کو اپنی اصلی صورت اور خلقت میں دیکھا ہے اور اس حالت میں دیکھا ہے کہ ان کا وجود زمین و آسمان کی پہنائیوں پر محیط تھا۔"

مسلم نے مسروق کی ایک روایت بیان کی ہے جس میں وہ کہتے ہیں: "میں نے حضرت عائشہؓ سے پوچھا: ام المومنین! رسول اللہ ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا ہے؟" انہوں نے جواب دیا: "تمہاری بات سن کر تو میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے ہیں۔ سنو جو شخص تم سے کہتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا ہے وہ جھوٹ بولتا ہے۔"

اس کے بعد یہ آیت پڑھی: لا تدرکہ الابصار و هو یدرکہ الابصار و هو اللطیف الخبیر! آنکھیں اسے نہیں دیکھ سکتیں لیکن وہ آنکھوں کو دیکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ لطیف اور خبیر ہے، حضرت عائشہؓ نے یہ بھی فرمایا: حضورؐ نے جبریل کو دو مرتبہ ضرور دیکھا ہے۔"

بخاری نے ابن ملکینہ کی ایک روایت درج کی ہے جس میں وہ کہتے ہیں: ایک

مرتبہ ابن عباسؓ نے یہ آیت تلاوت کی۔ حتیٰ اذا استیس الرسل و ظنوا انہم قد کذبوا۔

میں (ابن مکیہ) عروہ بن زبیر سے ملا اور ان سے کہا کہ ابن عباسؓ "کذبوا" کے دال کو بغیر تشدید کے پڑھتے ہیں انہوں نے کہا حضرت عائشہؓ کے سامنے بھی ایک دفعہ یہی سوال پیش ہوا تھا اور ان سے کہا گیا تھا کہ اس آیت کی قرأت "کذبوا" نہیں بلکہ "کذوبوا" ہے۔ انہوں نے یہ سن کر فرمایا "معاذ اللہ، اللہ تعالیٰ کے رسولوں کے متعلق یہ گمان بھی نہیں کیا جاسکتا کہ وہ کسی وقت اللہ تعالیٰ کے کئے ہوئے وعدوں کو جھوٹا سمجھنے لگتے ہوں گے۔ اللہ اپنے رسولوں سے جو وعدہ کرتا ہے رسولوں کو یقین ہوتا ہے کہ وہ ضرور پورا ہو کر رہے گا۔ آیت کا مطلب دراصل یہ ہے کہ رسولوں پر اس قدر مصیبتیں نازل ہوتی ہیں کہ انہیں یہ گمان ہونے لگتا ہے کہ ان پر پے درپے مصائب اور آلام کو دیکھ کر ان کے ماننے والے ہی انہیں جھٹلانے لگیں گے۔ اس لئے تم اس آیت میں کذبوا کو ذال کی تشدید کے ساتھ پڑھو" جس کے معنی جھٹلانے جانے کے ہیں نہ کہ تحقیق کے ساتھ جس کے معنی جھوٹا وعدہ کئے جانے کے ہیں،

طیالسی نے اپنی مسند میں بحول کی ایک روایت درج کی ہے جس میں وہ کہتے

ہیں:

"ابو ہریرہؓ روایت کرتے تھے کہ حضورؐ نے فرمایا ہے۔ نحوست تین چیزوں میں ہے۔ گھر میں، عورت میں اور گھوڑے میں۔ حضرت عائشہؓ نے کہا جب اس کا علم ہوا تو انہوں نے فرمایا۔ ابو ہریرہؓ نے پوری حدیث بیان نہیں کی۔ وہ حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اس وقت حضورؐ یہ بیان فرما رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ یہود کو ہلاک کرے۔ وہ کہتے ہیں کہ

ابن عباس نے کذبوا پڑھا تھا۔ اس صورت میں آیت کے لفظی معنی یہ بنتے ہیں کہ جب رسول مایوس ہو گئے اور انہیں حیاں پیدا ہوا کہ ان سے جھوٹا وعدہ کیا گیا۔ اور رسولؐ اور ان کے ساتھ ایمان لانے والے یہ کہنے پر مجبور ہو گئے کہ اللہ کی مدد کب آئے گی۔ (مترجم)

نخست تین چیزوں میں ہے۔ گھر میں، عورت میں اور گھوڑے میں۔ ابوہریرہؓ نے حدیث کا پہلا حصہ تو سنا نہیں، آخری حصہ سن کر روایت کرنا شروع کر دیا۔

امام احمد بن حنبل نے مسند میں ابو حسان الاعرج کے حوالے سے یہ روایت درج

کی ہے کہ دو آدمی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بیان کیا کہ ابوہریرہؓ

کہتے ہیں حضورؐ نے فرمایا کہ بدشگونی عورت، چوپائے اور گھر میں ہے۔ حضرت

عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: اس خدا کی قسم! جس نے ابو القاسم پر قرآن نازل فرمایا کہ اصل

بات وہ نہیں ہے جو ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دراصل یہ

فرمایا تھا کہ زمانہ جاہلیت کے لوگ کہا کرتے تھے کہ بدشگونی عورت، چوپائے اور

گھر میں ہوتی ہے۔ یہ کہہ کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ آیت پڑھی: ما اصاب من مصیبت

فی الارض ولا فی انفسکم الا فی کتاب من قبل ان نبرھا۔ (روئے زمین کے جس شخص پر

بھی کوئی مصیبت آتی ہے وہ ہم نے اس کی پیدائش سے پہلے ہی صحیفہ میں لکھ رکھی ہے۔)

بزاز علقہ کے حوالے سے بیان کرتے ہیں: ایک مرتبہ کسی شخص نے حضرت

عائشہ رضی اللہ عنہا سے بیان کیا کہ ابوہریرہؓ حضورؐ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک عورت کو

ایک بلی کی وجہ سے عذاب دیا گیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ سن کر فرمایا: "وہ عورت

کافرہ تھی!"

علقہ نے ابوہریرہؓ سے اس ایک روایت کے علاوہ اور کوئی روایت بیان

نہیں کی۔ (بزاز)

اسی حدیث کو قاسم بن ثابت مفسر طبری ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

"علقہ بن قیس کہتے ہیں کہ ہم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ہمارے

ساتھ ابوہریرہؓ بھی تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ابوہریرہؓ سے مخاطب ہو کر فرمایا:

کہا: "ابوہریرہؓ! تم ہی ہو جو حضورؐ سے یہ حدیث روایت کرتے ہو کہ ایک عورت کو

ایک بتی کی وجہ سے عذاب دیا گیا۔ وہ اسے بازو کر رکھتی تھی۔ نہ اُسے خود کھانے کو دیتی تھی اور نہ چھوڑتی تھی کہ وہ خود کہیں جا کر خوراک کی تلاش کرے۔ اسی طرح وہ بھوک اور پیاس کی حالت میں مر گئی۔ ابو ہریرہؓ نے جواب دیا۔ میں نے حضورؐ سے اسی طرح سنا ہے۔ "حضرت عائشہؓ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایک مومن کا درجہ اس سے بلند ہے کہ وہ اسے ایک بتی کی وجہ سے عذاب دے۔ وہ عورت اس کے ساتھ کافرہ بھی تھی۔ اسے ابو ہریرہؓ! جب تم حضورؐ کی کوئی حدیث بیان کرنے لگو تو دیکھ لیا کرو کہ کیا کہتے ہو۔"

بخاری اور مسلم نے عروہ کے حوالے سے حضرت عائشہؓ کی ایک روایت درج کی ہے جس میں وہ فرماتی ہیں کہ حضورؐ کی وفات کے بعد آپؐ کی ازواج نے حضورؐ کی میراث کے سلسلے میں عثمان بن عفان کو سفیر بنا کر ابو بکر کے پاس بھیجا جاتا تھا۔ اس پر میں نے ان سے کہا: "کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا تھا کہ ہمارے مال کا کوئی وارث نہ ہوگا۔ ہم اپنے پیچھے جو کچھ چھوڑیں گے وہ صدقہ ہوگا۔"

ابو عروبہ الحسین بن محمد الحمرانی اور ابو منصور بغدادی، کلبی سے روایت کرتے ہیں۔ "ایک مرتبہ ابو ہریرہؓ نے بیان کیا کہ اگر تم میں سے کسی شخص کا پیٹ قے اور خون سے بھر جائے تو وہ اس امر سے بہتر ہے کہ اس کا پیٹ شعر سے بھرا ہوا ہو۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا: "ابو ہریرہؓ کو پوری حدیث یاد نہیں رہی حضورؐ نے دراصل یہ فرمایا تھا کہ کسی شخص کا پیٹ قے اور خون سے بھر جائے تو وہ اس سے بہتر ہے کہ اس کا پیٹ ان اشعار سے بھرا ہوا ہو جو میری نحو میں کہے گئے ہوں۔"

عروہ کہتے ہیں کہ کسی شخص نے حضرت عائشہؓ سے بیان کیا کہ ابو ہریرہؓ حضورؐ کی جانب یہ حدیث منسوب کرتے ہیں کہ اگر مجھے خدا کی طرف سے ایک کوٹا بھی ملے، تو مجھ کو کسی ناجائز بچے کے آزاد کرنے کے مقابلے میں پسند ہے اور یہ لدا الزنا تینوں میں (ماں،

# Government of the Punjab

۱۹۰

باپ اور بچہ) بدتر ہے۔ اور میت کو اس کے گھر والوں کے رونے کے سبب عذاب دیا جائے گا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ ابوہریرہؓ پر رحم کرے انہوں نے اچھی طرح سنا نہیں تو اچھی طرح بیان بھی نہیں کیا۔ واقعہ یہ ہے کہ جب یہ آیت اتری فلا اقتصر العقبۃ وما ادراک ما العقبۃ فک رقبۃ۔ (وہ گھائی میں نہیں گھسا۔ اور تجھے معلوم ہونا چاہیے کہ گھائی کیا ہے کسی غلام کو آزاد کرنا، تو صحابہ نے عرض کیا ہم غریب لوگ ہیں ہمارے پاس آزاد کرنے کے لئے لونڈی غلام کہاں؟ کسی کسی کے پاس سیاہ جشن ہوتی ہے جو گھر کا کام کاج کر دیتی ہے۔ اگر آپ پسند فرمائیں تو انہیں پیشہ کرنے کی اجازت دے دیں۔ ان سے جو اولاد پیدا ہو اسے ہم احکام الہی کی متابعت میں آزاد کر دیں۔ یہ سن کر حضورؐ نے فرمایا: "اگر مجھے راہِ خدا میں صرف ایک کوڑا دیا جائے تو وہ مجھ کو اس بات سے بدرجہا زیادہ پسند ہے کہ میں زنا کی اجازت دے دوں اور اس طرح جو بچہ پیدا ہو وہ آزاد کیا جائے۔"

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے یہ جو کہا کہ والد الزنا میں بڑی چیزوں میں سے ایک ہے تو واقعہ اس طرح نہیں ہوا جس طرح ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا۔ اصل بات یہ ہے کہ مدینہ میں ایک منافق تھا جو حضورؐ کو طرح طرح کی ایذا میں دیا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ آپ نے اس کا ذکر فرمایا تو کسی نے کہا کہ حضورؐ ان تینوں باتوں کے علاوہ وہ والد الزنا بھی ہے۔ اس پر حضورؐ نے فرمایا: "وہ تینوں میں بدتر ہے یعنی اپنے ماں باپ سے بھی زیادہ بُرا ہے ورنہ اللہ تعالیٰ تو فرماتا ہے: ولا تزر وازرة وزر الا ضریٰ دکوئی شخص کسی دوسرے کے گناہ کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔"

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے تیسری حدیث یہ بیان کی ہے کہ میت کو اس کے گھر والوں کے رونے کے سبب عذاب دیا جائے گا تو یہ حدیث بھی اس طرح نہیں ہے۔ بلکہ واقعہ یہ ہوا کہ حضورؐ ایک یہودی کے گھر کے پاس سے گزرے۔ وہ مر گیا تھا۔ اس کے گھر

والے داویلا کر رہے تھے۔ رسول اللہ صلعم نے فرمایا: ”یہ لوگ تو اس پر رو رہے ہیں اور قبر میں اسے عذاب دیا جا رہا ہے۔ کسی کے رونے پر کسی دوسرے کو عذاب کیسے ہو سکتا ہے جبکہ اللہ خود فرماتا ہے: لا یكلف اللہ نفساً الا وسعہا۔ اللہ تعالیٰ کسی شخص کو اس کی طاقت سے بڑھ کر تکلیف نہیں دیتا۔“

بخاری نے ابن عمر رضی اللہ عنہما کی یہ روایت اپنی صحیح میں درج کی ہے کہ حضور نے فرمایا: ”بلال رات کو اذان دے دیتے ہیں اس لئے روزہ رکھنے والے لوگ ان کی اذان پر دستور سحری کھاتے رہیں، البتہ جب ابن ام مکتوم اذان دیں اس وقت کھانا پینا موقوف کر دیا جائے۔“

لیکن بیہقی عروہ کے حوالے سے اس کے برعکس روایت درج کرتے ہیں اور وہ یہ کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ ایک مرتبہ حضور نے فرمایا: ابن ام مکتوم تا بینا ہیں اس لئے جب وہ اذان دیں تو دستور سحری کھاتے رہا کرو۔ لیکن بلال اس وقت تک اذان نہیں دیتے جب تک خود اپنی آنکھوں سے پو پھٹتے نہیں دیکھ لیتے۔ اس لئے جب بلال اذان دیں اس وقت کھانا پینا موقوف کیا کرو۔“

اسی روایت میں یہ بھی مذکور ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں۔ ابو داؤد کے علاوہ صحاح کی باقی پانچ کتب میں حضرت ابو ہریرہ کی یہ روایت مذکور ہے کہ حضور کے پاس دست کا گوشت لایا گیا اور حضور نے اسے مزے سے کھایا؟

اس حدیث کی توضیح کرتے ہوئے امام ترمذی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ایک روایت بیان کرتے ہیں جس میں وہ کہتی ہیں:

”دست کا گوشت حضور کو بہت زیادہ پسند نہ تھا بلکہ چونکہ ان دنوں گوشت بہت کم میسر آتا تھا اور دست کا گوشت جلد گل جاتا تھا اس لئے آپ اسی کو کھاتے تھے۔“

ترمذی میں ابوزین سے مروی ہے کہ ابوہریرہ ہمارے پاس آئے اپنا ہاتھ پیشانی پر مارا اور کہا:

”تم میں سے بعض لوگوں کا خیال ہے کہ میں حضورؐ کی احادیث درست بیان نہیں کرتا۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے حضورؐ کی زبان مبارک سے یہ الفاظ سنے ہیں کہ اگر کسی شخص کی جوتی کا تسمہ ٹوٹ جائے تو جب تک وہ اسے درست نہ کرے ایک جوتے میں نہ چلے پھرے۔“

جب حضرت عائشہؓ کو اس کا علم ہوا تو انہوں نے ابوہریرہؓ کی بیان کردہ حدیث کی تغلیط کے لئے ایک موزہ پہن کر چلنا شروع کر دیا:



منظور شدہ محکمہ تعلیم — بطابق قہرست نمبر ۱۹۶۵

عائشہ

رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهَا

عباس محمود اعجاز

مولانا جلال الدین سیوطی

ترجمہ

شیخ محمد اسد مانی پتی

گلوب پبلشرز - اردو بازار - لاہور

قیمت : ۳۰ روپے قیمت الائیٹری ایڈیشن - ۲۰ روپے